کارروائی اجتماعات جماعت اسلامی

سنہ ۱۳۶۶ھ / ۱۹۴۷ء

از قیّم جماعت اسلامی

جنوری ۱۹۴۷ء میں اعلان کیا گیا تھا کہ اس سال جماعت اسلامی کا اجتماع عام پٹنہ صوبہ بہار میں منعقد ہوگا، نیز جنوبی اور وسط ہند کے حلقہ وار اجتماعات، اجتماع عام کے بعد متصلاً ہی منعقد کیے جائیں گے اور صرف شمال مغربی ہند کا حلقہ وار اجتماع اکتوبر تک ملتوی رہے گا۔ پٹنہ کے اجتماع عام کے لیے ۴، ۵، ۶ اپریل ۱۹۴۷ء کی تاریخیں بھی مقرر کر دی گئی تھیں۔ مگر اس کے بعد پنجاب، صوبہ سرحد اور بہار میں فسادات کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کی وجہ سے شمالی ہندوستان کے بیشتر رقبے میں ابتری پھیل گئی، ذرائع آمد و رفت بیشتر منقطع اور بقیہ پرخطر اور غیر محفوظ ہوگئے اور جہاں فساد بالفعل واقع نہ ہوا وہاں کے حالات بھی پرسکون و پرامن نہ رہے۔ اس لیے امیر جماعت نے مقامی ارکان شوریٰ اور دوسرے مقامی ارکان جماعت کے مشورے سے فیصلہ کیا کہ پٹنہ صوبہ بہار کا اجتماع عام منسوخ کر دیا جائے اور اس کے بجائے ہندوستان کے چاروں حلقوں کے الگ الگ سالانہ حلقہ وار اجتماعات اپریل اور مئی ۱۹۴۷ء میں کر لیے جائیں۔ چنانچہ اس اعلان کے مطابق ہر حلقے کے الگ الگ اجتماعات منعقد کیے گئے اور ان کی مفصل کارروائی درج ذیل ہے۔

حلقہ مغربی و وسط ہند بمقام ٹونک بتاریخ ۱۷، ۱۸ اپریل ۱۹۴۷ء

حلقہ مغربی و وسط ہند (راجپوتانہ، سی پی، برار، بمبئی اور ریاست ہائے وسط ہند) کا اجتماع ٹونک

میں ۱۶ تا ۱۸ اپریل ۴۷ء کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں مرکز سے امیر جماعت اور قیم جماعت شریک ہوئے۔ شہر بمبئی، کلیان، جلگاؤں، دوراجی، جوناگڑھ، گودھرا، جامنیر، آکولہ، بینا، جھانسی، اندور، بھوپال، الور، گوالیار، بیتول، جبل پور، ٹونک، سرونج، نیا ہڑہ، جے پور، سوائی مادھوپور اور اجمیر سے ارکان اور ہمدرد حضرات سوا سو سے زائد تعداد میں تشریف لائے۔ اجتماع کی مفصل کارروائی درج ذیل ہے:-

۱۷ اپریل بروز پنجشنبہ اس روز تین اجلاس ہوئے۔ پہلا اجلاس صبح ۸ بجے سے ۱۱ بجے دوپہر تک، دوسرا اجلاس بعد نماز ظہر سے نماز عصر تک اور تیسرا اجلاس عصر سے مغرب تک۔ یہ تینوں اجلاس خاص اجلاس تھے اس لیے اجتماع گاہ کے بجائے قیام گاہ کے ہال میں منعقد کیے گئے۔ ان تینوں اجلاسوں میں امیر جماعت نے ہر مقام کے ارکان اور ہمدردوں سے مقام وار ملاقات کی۔ ان سے مقامی حالات بتفصیل معلوم کیے اور ہر مقام کے مناسب حال آئندہ کام کے لیے ہدایات دیں۔ امیر جماعت کی ان ہدایات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:-

۱۔ حلقہ راجپوتانہ، سی۔پی، ریاست ہائے وسط ہند اور برار سے برار کو الگ کر کے ریاست حیدرآباد کے قیم کے حلقے میں شامل کر دیا جائے اور بقیہ حلقے کے مندرجہ ذیل پانچ ڈویژن بنا دیے جائیں:

(۱) ٹونک ڈویژن جس میں ٹونک، سوائی مادھوپور، جے پور، الور اور اجمیر شامل ہوں گے۔

(۲) جھانسی ڈویژن جس میں جھانسی، بھوپال، بینا، سرونج، اٹارسی اور ہردہ شامل ہوں گے۔

(۳) اندور ڈویژن جس میں اندور، مہو، رتلام اور اُجین وغیرہ شامل ہوں گے۔

(۴) جوناگڑھ ڈویژن جس میں جوناگڑھ، پوربندر، دوراجی وغیرہ شامل ہوں گے۔

(۵) جامنیر ڈویژن جس میں جامنیر، بھوساول، جلگاؤں اور مالیگاؤں شامل ہوں گے

۲۔ ان ڈویژنوں کے ارکان اور ہمدرد حضرات آپس میں گہرا ربط اور تعلق پیدا کرنے کی کوشش کریں، وقتاً فوقتاً آپس میں ملتے اور مراسلت کرتے رہیں اور کم سے کم ہر تین ماہ میں ایک مرتبہ کسی مناسب مقام پر سہ ماہی اجتماعات منعقد کر کے اپنے گذشتہ کام کا جائزہ اور آئندہ منظم کام کے لیے پروگرام بنا لیا کریں۔ نیز ایسی صورتیں سوچیں اور تدابیر اختیار کریں جن سے باہم تعاون میں آسانی ہو اور آپس میں

زیادہ سے زیادہ یکجہتی پیدا ہو۔

۳۔ اس پورے حلقے (بجز بہار) کے انچارج اور قیم جناب محمد یوسف صاحب صدیقی (نزد مسجد غول، محلہ قافلہ، ٹونک راج) بدستور رہیں گے اور مذکورہ ڈویژنوں میں ڈویژنل اجتماعات کے انچارج علی الترتیب جناب محمد یوسف صاحب صدیقی، جناب افضل حسین صاحب (گورنمنٹ نارمل سکول، جھانسی)، مولانا محمد رفیع صاحب (محلہ ملہار پلٹن، مکان نمبر ۳-۶۷، اندور سٹی)، حکیم عبدالواحد صاحب (محلہ ملاواڑہ، جوناگڑھ) اور جناب خورشید احمد زبیری صاحب (جامنیر ضلع مشرقی، خاندیش) ہوں گے۔

تمام مقامی جماعتیں، حلقہ ہائے ہمدرداں، منفرد ارکان اور ہمدرد اپنی ماہوار رپورٹیں اور ڈویژنوں کے انچارج صاحبان سہ ماہی اجتماعات کی رپورٹیں مرکز میں اور اپنے حلقے کے قیم جناب محمد یوسف صاحب کو بھیجا کریں۔

۴۔ ہر ڈویژن کے ارکان اور ہمدرد[1] جلدی سے جلدی اپنا پہلا اجتماع منعقد کرکے دو دو تین آدمیوں کے وفود بنالیں اور وہ وفود اپنے گرد و نواح کی بستیوں میں جانا شروع کردیں۔ حتی الامکان نواحی بستیوں کے ہر پڑھے لکھے انسان (مسلم و غیر مسلم) تک اپنا لٹریچر پہنچا دیا جائے اور کوشش کی جائے کہ ہر بستی میں کم سے کم ایک ایک شخص ایسا مل جائے جو اس کام خیر میں ہمارا ساتھ عملاً دینے کے لیے کھڑا ہو جائے۔ اس کام کے لیے روابط پیدا کرنے کا انفرادی طریقہ ہی اختیار کیا جائے۔ اس سے پیدا شدہ روابط مستحکم اور مستقل ہوتے ہیں۔

ان وفود کے سلسلے میں وقت ہر رکن اور ہمدرد سے لازماً لیا جائے لیکن یہ وقت اتنا اور ایسا ہونا چاہیے جو وہ بآسانی دے سکیں۔ جو شخص مہینے میں ایک ہی دن دے سکتا ہو اس سے ایک ہی دن پر سردست اکتفا کیا جائے لیکن یہ وقت ہر ماہ باقاعدہ لیا جانا چاہیے۔

۵۔ جہاں جہاں ارکان اور ہمدرد حضرات موجود ہیں ان کو چاہیے کہ اپنے ہاں دارالمطالعہ یا گشتی

---

[1] یہاں اور دوسرے مقامات پر "ہمدرد" کا لفظ ان لوگوں کے لیے استعمال کیا گیا ہے جو ہمارے کاموں میں عملاً حصہ لیتے ہیں اور ہمارے مسلک کو اس حد تک قبول کرچکے ہیں کہ قولاً و عملاً جماعت کی صحیح نمائندگی کرسکیں۔

لائبریری اور مکتبے کا انتظام کریں تاکہ لٹریچر پھیلانے میں زیادہ سے زیادہ سہولت ہو اور جو لوگ کتابیں خریدنا چاہیں وہ خرید سکیں۔

۶۔ دوسری مسلم اور غیر مسلم جماعتوں سے اختلاف کے معاملہ میں انتہائی احتیاط برتی جائے۔ ان کے کارکنوں میں سے جو جس قدر بھی ہمارے ساتھ چل سکتا ہو اور چلنے کے لیے تیار ہو اسے ضرور ساتھ لیا جائے۔ مگر اسے اس باب میں بھی کسی غلط فہمی میں نہ رکھا جائے کہ ہمارے اور اس کی جماعت کے مسلک وطریق کار میں اصولاً کیا فرق ہے۔

۷۔ معاشی مشکلات کو ہمارے ارکان کی راہ میں حائل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ ہم اپنے ارکان کو سردست کوئی ایسا پروگرام نہیں دے رہے ہیں جس کے لیے انھیں کوئی زیادہ الگ وقت دینا پڑے۔ اس وقت اپنے ارکان سے ہمارا مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہ جس حال اور جس کام میں بھی ہوں سرتاپا اسلام کے نمائندہ اور اس کی تعلیمات کے پابند ہوں۔ گھر میں ہوں یا بازار میں، مسجد میں ہوں یا کاروبار میں، ہر جگہ ان میں یہ احساس موجود رہے کہ وہ مسلمان ہیں اور انھیں اپنے ہر عمل و حرکت کا خدا کے روبرو حساب دینا ہے۔

۱۸ اپریل بروز جمعہ یہ کھلا اجلاس تھا جو ۹ بجے صبح سے ۱۱ بجے دوپہر تک جاری رہا۔ شرکا کی تعداد ۳۰۰ سو سے زائد تھی۔ اس کی ابتدا امیر جماعت کی حسب ذیل افتتاحی تقریر سے ہوئی:

حمد و ثنا کے بعد فرمایا: حضرات! ہماری اس جماعت کا جو کچھ مقصد ہے اس کو بیان کرنے کے لیے دوسرے مقامات کے لیے تو ممکن ہے کسی لمبی چوڑی تقریر کی ضرورت ہو لیکن ٹونک کے لوگوں کے سامنے اسے بیان کرنے کے لیے کسی لمبی تقریر کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو یہ کہہ دینا کافی ہے کہ ہمارا مقصد وہی ہے جس کے لیے حضرت سید احمد شہید کھڑے ہوئے تھے۔ یہ مقام وہی ہے جہاں حضرت ممدوح نے اپنے کام کی تیاری کی اور پھر یہی وہ مقام ہے جہاں ان کے لٹے ہوئے قافلے نے آکر پناہ لی۔ اگرچہ اس واقعہ کو سو سال ہو گئے ہیں لیکن ان بزرگوں کے آثار ابھی تک یہاں موجود ہیں اور ان کے کارناموں کی داستانیں بھی بہت سے ذہنوں میں اب تک موجود

اور باقی ہوں گی۔ اگرچہ ہماری شخصیتوں کا ان کی شخصیتوں سے کوئی مقابلہ نہیں۔ وہ پاک نفوس تاریخ کے اوراق میں اپنی سیرت اور کام کے وہ نقوش چھوڑ گئے کہ دنیا میں ایک مرتبہ پھر صحابہ کی یاد تازہ ہو گئی۔ ہمیں ان سے کیا نسبت؟ لیکن ہماری کوشش اور خواہش یہی ہے کہ اسی کام کو جو انھوں نے کیا اور جس کے لیے انھوں نے اپنا سب کچھ لٹا دیا اور جسے کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، اپنی مقدرت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں۔ اسی مقصد کے لیے ہماری یہ جماعت قائم ہوئی ہے اور اسی کام میں اپنے ساتھیوں کا جائزہ لینے اور نئے ہمراہیوں کی تلاش میں ہم یہاں آپ کے شہر میں آئے ہیں۔

ہمارے اجتماعات کی غرض یہ نہیں ہوتی کہ اپنے کام کا اشتہار دیا جائے بلکہ یہ کہ اپنے کارکنوں کو وقتاً فوقتاً جمع کر کے ان کے کام کا جائزہ لیں، کوتاہیوں کو معلوم کر کے ان کو دور کرنے کی کوشش کریں اور آئندہ کام کا نقشہ بنا لیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ مقصد بھی ہوتا ہے کہ مقامی لوگوں کو اپنے کام سے واقف کرائیں تاکہ اللہ کے جو بندے اس کام کو کرنا چاہتے ہوں وہ ہمارے کام کو دیکھیں اور سمجھیں اور اگر ان کا دل گواہی دے اور مطمئن ہو تو ہمارا ساتھ دیں۔

کل سارا دن ہم اپنے جماعتی اور انتظامی کاموں میں مشغول رہے۔ آج آپ حضرات کو تکلیف دی ہے کہ آپ بھی ہمارے کام کو معلوم کریں۔ میں زیادہ کچھ کہنے سے معذور ہوں کیونکہ میں بیمار اور بہت ضعیف ہوں اور محض احساس فرض اور ضرورت کی وجہ سے اس حال میں یہاں تک آگیا ہوں۔ جو کچھ مجھے کہنا ہے وہ انشاء اللہ شام کے اجلاس میں عرض کروں گا۔ اب آپ ہماری جماعت کے قیم سے جماعت کے سال بھر کے کام کی رپورٹ سنیے۔

اس کے بعد قیم جماعت نے جماعت کی سالانہ رپورٹ پیش کی جو درج ذیل ہے:

روداد جماعت اسلامی ۶۵-۶۶ء / ۸۶-۸۷ھ

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔ امیر جماعت، رفقائے محترم، بہنو اور بھائیو! میں آپ کی خدمت میں اس وقت اپنے

حاضر ہوا ہوں کہ جماعت اسلامی کی گذشتہ سال کی روداد آپ کے سامنے پیش کروں۔ لیکن ہم نے اس اجتماع میں اپنے ارکان اور قریبی ہمدردوں کے علاوہ اپنے ان مسلم و غیر مسلم بھائیوں کو بھی شرکت کی دعوت دی ہے جو ابھی ہم سے پوری طرح واقف نہیں ہیں مگر ہمارے کام کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کی خواہش رکھتے ہیں، اور ایسے بہت سے احباب تشریف لائے بھی ہیں، اس لیے یہ ضروری ہے کہ روداد جماعت پیش کرنے سے پہلے میں جماعت کی دعوت اور مقصد کو بھی مختصر الفاظ میں بیان کردوں تاکہ نئے احباب کو بھی اس اجتماع کی کارروائی سمجھنے اور ہمارے پیش نظر کام کو جاننے کا زیادہ سے زیادہ موقع ملے۔

جماعت اسلامی کی دعوت اور مقصد سائنس، جدید وسائل تمدن اور موجودہ ذرائع آمد و رفت نے دنیا کے مختلف ممالک کو ایک دوسرے سے اتنا قریب کردیا ہے اور آپس میں اس طرح ملا دیا ہے کہ وہ تمام جغرافیائی اور قدرتی حدبندیاں ختم ہوگئی ہیں جو اب تک مختلف ممالک اور ان میں بسنے والی قوموں کو ایک دوسرے سے الگ کیے ہوئے تھیں۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ یہ پورا کرۂ ارض (یعنی زمین) ایک ملک بن گیا ہے اور وہ قطعات جن کو ہم پہلے الگ الگ ممالک خیال کرتے تھے اس نئے ملک کے صوبے یا اضلاع ہیں۔ زیادہ متمدن ممالک تو ایک دوسرے کے اس قدر قریب ہوگئے ہیں کہ ویسا قرب اور آپس کا میل جول گذشتہ زمانے کے متمدن سے متمدن ممالک کے مختلف اضلاع کیا ان کے اضلاع کی مختلف تحصیلوں میں بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ اور نسبتاً غیر متمدن ممالک کے اکثر حصوں میں اب بھی نہیں پایا جاتا۔ مختلف ملکوں اور قوموں کے لوگ ضرورت کے وقت ایک جگہ اس طرح جمع ہوجاتے ہیں جس طرح ایک محلے میں بسنے والے لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر باہر گلی میں جمع ہوجاتے ہیں۔

اس تمدنی اور علمی ترقی اور آپس کے میل ملاپ کا قدرتی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ ملکوں اور ملکوں میں اور قوموں اور قوموں میں محبت، برادرانہ برتاؤ، خیر خواہی اور تعاون کے جذبات زیادہ سے زیادہ پیدا ہوتے اور اخلاق و انسانیت دوسرے تمام حیوانی جذبات پر غالب آجاتے لیکن ہم دیکھتے یہ ہیں کہ اس کے بالکل برعکس مختلف ممالک اور قومیں ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے اور

لیا پیٹ کرنے پر اس طرح تلے ہوئے ہیں گویا کہ وہ بھوکے بھیڑیے ہیں جن کو جغرافیائی حدبندیوں کی آہنی سلاخوں نے اس دنیا کے چڑیا گھر کے الگ الگ حصوں میں بند کر رکھا تھا اور اب ان سلاخوں کے ٹوٹتے ہی وہ ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

اس صورت حال کو دیکھ کر تمام ہوشمند اور بنی نوع انسان کے سچے خیرخواہ لوگوں کو لازماً سوچنا چاہیے اور جگہ جگہ وہ سوچ بھی رہے ہیں کہ آخر ایسا کیوں ہے؟ اور اس کی کیا وجہ ہے کہ قوم ہو یا فرد، جو جس قدر زیادہ متمدن، ترقی یافتہ اور ظاہر میں دیوتا صورت نظر آتا ہے وہ اسی قدر زیادہ انسانی اوصاف سے خالی اور اپنے ہم جنسوں کے لیے کتوں سے زیادہ خطرناک اور وحشی درندہ ثابت ہو رہا ہے۔ ان کے شخصی کارناموں، اجتماعی پروگراموں اور اندرونی اور بیرونی پالیسیوں کو دیکھ کر گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید کل جنگلی چیتے اور خونخوار درندے ہیں جو اچھی اچھی پوشاکیں پہن کر وسائل تمدن اور حکومت کی گدیوں پر قابض ہو گئے ہیں۔

اس عالمگیر خرابی اور انسانی روگ کی جڑ تلاش کرنے کے لیے آپ تھوڑا سا غور فرمائیں گے تو آپ کو یہ صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ یہ سارا فساد ان غلط افکار و نظریات اور اُس بے خدا فلسفہ زندگی کا لایا ہوا ہے جو اس وقت پوری دنیا میں ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک ایک وبا کی طرح پھیل گئے ہیں اور جن کو ہر قوم اور ہر ملک کے لیڈروں اور ان کے نظامہائے تعلیم و تربیت نے دانستہ یا نادانستہ اپنی اپنی قوموں اور ملکوں میں پلیگ کے جرثوموں کی طرح پھیلا دیا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ مشرق و مغرب کے سب ممالک ایک اخلاقی پلیگ میں مبتلا ہو گئے ہیں کہیں اس کی گلٹیاں "قوم پرستی" کی شکل میں نکل آئی ہیں، کہیں انھوں نے "وطن پرستی" کی صورت اختیار کی ہے، کہیں "نسلی امتیازات" بن کر باہر آئی ہیں اور کہیں "طبقاتی نزاع" کے جنون کا بخار بن کر۔ جرثومہ اپنا اثر بہرحال ہر جگہ کر چکا ہے۔ کچھ قوموں اور ملکوں کی موت واقع ہو چکی ہے، اور ان کی سڑی ہوئی لاشیں بقیہ کی اخلاقی صحت کو اور بھی خطرے میں ڈال رہی ہیں، کچھ ملک الموت کے انتظار میں بستر مرگ پر پڑی کراہ رہی ہیں، اپنے اطبا، معالجوں اور بوجھ بجھکڑوں کو بار بار

بلاتی ہیں، ان سے مشورے پر مشورہ لیتی ہیں لیکن روگ ایسا لگا ہے کہ جسم و جان کو کھائے جا رہا ہے اور معالج ایسے ملے ہیں کہ ان کی ہر تدبیر الٹی اور ہر علاج مخالف پڑ رہا ہے۔

رائج الوقت افکار و نظریات اور فلسفہ زندگی نے قوموں کو قوم پرستی کا، ملکوں کو وطن پرستی کا اور مختلف نسلوں کو نسل پرستی کا درس دیا تھا اور ان کے ہاں ان اساسات اجتماع کے علاوہ کسی دوسری اساس کا تصور موجود ہی نہیں تھا۔ چنانچہ جو قومیں ایک نسل سے تعلق رکھتی تھیں انھوں نے اپنے نسلی امتیازات کی بنیادوں پر، جن میں نسلی اشتراک نہیں تھا انھوں نے قومیت کی بنا پر اور ممالک نے وطنیت کی اساس پر اپنی جتھے بندیاں شروع کر دیں اور دنیا کے مختلف ممالک اور قوموں میں بالکل متعارض اور الگ الگ جماعتیں اٹھ کھڑی ہوئیں۔

ظاہر ہے کہ جب وقت اور فاصلے پر فتح پا لینے کے بعد دنیا کے مختلف ممالک متصل اضلاع کی طرح آپس میں مل گئے ہوں اور پھر ان میں بسنے والی مختلف قومیں اپنے "نسلی امتیازات" یا نری وطنیت و قومیت کی بنا پر اپنے الگ الگ جتھے اس طرح بنائے ہوئے ہوں کہ ان کے سامنے کوئی مشترک لائحہ عمل اور مقصد زندگی سرے سے ہو ہی نہیں اور ان کو آپس میں ملا کر رکھنے والی کوئی چیز بجز قومی یا ملکی فائدے اور ڈر کے باقی ہی نہ رہی ہو تو ان کا ایک دوسرے سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برسر پیکار رہنا ناگزیر ہے۔ کیونکہ "قوم پرستی" اور "وطن پرستی" کا تو نظری تقاضا ہی یہ ہے کہ اپنی قوم اور اپنا وطن خواہ حق پر ہو یا باطل پر ہر حال میں ان کا ساتھ دیا جائے، قوم کا ایک ایک فرد اور پوری قوم بحیثیت مجموعی اپنی قوم اور ملک کے فائدے کے ہر کام کو کرنے اور ان کے نقصان کے ہر کام کو روکنے کے لیے اپنی تمام قوتیں صرف کر دے بلا لحاظ اس کے کہ دوسری قوموں یا ملکوں کو اس سے کتنا ہی بڑا نقصان پہنچتا ہو۔ ان کے نزدیک کسی چیز یا کام کے جائز یا ناجائز اور حق یا باطل ہونے کا معیار ہی یہ قرار پا جائے کہ یہ ان کی قوم اور ملک کے لیے فائدہ مند ہے یا نقصان دہ اور ان کا یہ پہلو سرے سے قابل غور ہی نہ رہے کہ اس کا دوسروں پر کیا اثر پڑتا ہے۔

اس بارے میں تو اب تقریباً کہیں بھی دو رائیں نہیں پائی جاتیں کہ یہ موجودہ عالمگیر فساد

جس نے مشرق سے لے کر مغرب تک پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ رائج الوقت افکار و نظریات کے تحت "قومیت"، "وطنیت" اور "نسلی امتیازات" کے بے خدا فلسفہ ہائے زندگی کا پیدا کردہ ہے۔ یہاں تک کہ جن لوگوں اور قوموں نے ان افکار و نظریات کے شجر خبیث کو بویا اور اپنے خون اور پسینے سے اس کی آبیاری کر کر کے اسے اس قدر بار آور کیا تھا کہ اس کی جڑیں تمام دنیا میں پھیل گئیں وہ خود اب ان کے ہاتھوں اسقدر عاجز آ گئے ہیں کہ ان کے متفکر اور فلسفی "قومیت" اور "وطنیت" ہی کے خلاف نہیں "حب الوطنی" کے جذبے کے خلاف بھی دہائی دے رہے ہیں کہ یہ جذبہ کتنا ہی اچھا سہی لیکن نری حب الوطنی کافی نہیں، انسان کو اس سے کہیں زیادہ حسن اخلاق اور عقل کو وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ موجودہ تمدنی وسائل کی تباہ کاریوں کو دیکھ کر وہ تو نرے علم کے بھی قائل نہیں رہے بلکہ یہ کہنے لگے ہیں کہ انسان نے فطرت کا علم بہت کچھ حاصل کر لیا لیکن اسے خود انسان اور انسانیت سے پوری آگاہی نہیں ہوئی جس سے وہ خود اپنے نفس پر قابو پا سکتا کیونکہ انسان کو اتنی علم کی ضرورت نہیں جتنی دانائی اور نیک خیالی کی۔

روس نے قومیت اور وطنیت سے ایک قدم آگے بڑھا کر تمام قوموں کے مزدوروں کو ملا کر ایک عالمگیر تحریک کی داغ بیل ڈالی لیکن قطع نظر اس کے کہ ——— وہ اپنے اصلی روپ میں چند سال بھی نہ چل سکی اور فوراً ہی اس نے روسی قوم پرستی کا رنگ اختیار کر لیا، اگر بفرض محال یہ تحریک اپنے اصولوں کے مطابق سو فی صدی کامیاب ہو بھی جاتی تو علاوہ اس کے کہ یہ انسانی فطرت اور اس کے بنیادی تقاضوں کے بالکل خلاف ہوتی۔ یہ "قومیت" اور "وطنیت" کے فتنوں سے کہیں بڑا فتنہ کھڑا کر دیتی کیونکہ یہ بھی دنیا کے بہر حال ایک مخصوص طبقہ کے لوگوں ہی کی فلاح و بہبود کو اپنا نصب العین بنا کر اٹھی تھی۔ چنانچہ اس تحریک کی مختصر تاریخ جو ہمارے سامنے ہے "قومیت" اور "وطنیت" کی تاریخوں سے بھی کہیں زیادہ خوں چکاں اور وحشتناک ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر "قومیت" اور "وطنیت" اور "اشتراکیت" جو اس وقت دنیا کی مہذب ترین اور متمدن ترین قوموں کے مذاہب اور دینوں کی حیثیت رکھتے ہیں اور جن کو

انھوں نے ہزارہا سالوں کے تجربے اور اب سے پہلے کے تمام اجتماعی اور سیاسی نظاموں کو رد کرکے اختیار کیا تھا، انسانی زندگی کے مسائل کو حل نہیں کرتے اور حالات و واقعات اور ہمارے عملی تجربات بھی یہ شہادت دے رہے ہیں کہ یہ نظام ہائے زندگی سابقہ نظاموں (مثلاً قبائلی سسٹم، فیوڈل سسٹم، بادشاہت اور ارسٹوکریسی وغیرہ) سے کسی طرح بھی کم شر انگیز نہیں تو صحیح راہ عمل کیا ہے؟

یہی مسئلہ اس وقت دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ ہے اور اسی نے دنیا کے سب بڑے بڑے دماغوں کو پریشان کر رکھا ہے۔ کہیں مختلف ممالک اور قوموں کو ملا کر وفاق کی شکلیں سوچی جا رہی ہیں، کہیں دولت متحدہ (commonwealth) کی صورت تجویز کی جا رہی ہے۔ کہیں مختلف قوموں کو اکٹھا کرکے جمعیت اقوام منظم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور کوئی ایشیاٹک کانفرنس کا ڈھونگ رچا کر مصنوعی امن کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے لیکن امن عالمگیر کی گتھی ہے کہ سلجھاؤ کی ہر کوشش کے ساتھ اور الجھتی چلی جا رہی ہے۔

ظاہر ہے کہ ملکوں کی طرح پوری دنیا میں امن قائم کرنے کا بھی ایک اور صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ:

(۱) اس میں چلنے والے الگ الگ سیاسی نظاموں اور اجتماعی تحریکوں کو ختم کرکے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہی نظام قائم ہو اور

(۲) اس میں بسنے والے تمام افراد اور قوموں کے ذہنوں سے ان کے ایک دوسرے سے الگ مستقل تشخص (Entities) کے تصور کو نکال کر یہ عقیدہ ان کے دماغوں میں پیوست کر دیا جائے کہ وہ سب دراصل ایک ہی کنبے کے افراد ہیں جو مدتوں ایک دوسرے سے دور رہتے رہتے بیگانے بن گئے ہیں۔

اب یہ امر بھی کسی دلیل کا محتاج نہیں کہ جس طرح اجتماعی امن اور سیاسی نظام کا قیام آپس میں لازم و ملزوم ہیں اسی طرح سیاسی نظام اور حلقہ متعلقہ کے رہنے والے سب لوگوں کا نہیں تو اُن کی غالب اکثریت کا کسی ایک اقتدار کے سامنے اطاعت میں جھک جانا لازم و ملزوم ہیں یعنی

جب تک کسی ملک یا علاقے کے سب لوگ یا کم سے کم ان کی غالب اکثریت کسی ایک اقتدار کے آگے سر اطاعت خم نہ کر دیں کسی سیاسی نظام کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ صورت قائم رہتی ہے نظم اور امن قائم رہتا ہے اور جب یہ صورت ختم یا اس میں کوئی کمزوری واقع ہو جاتی ہے اسی تناسب سے بد امنی کی شکل رونما ہونی شروع ہو جاتی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اگر پوری دنیا میں امن قائم کرنے کی تمنا ہے (اور اب مختلف ممالک کے آپس میں مل جانے سے کسی ایک ملک میں الگ امن قائم کرنے کا امکان بھی نہیں رہا) تو ناگزیر ہے کہ کسی ایسے ذی اقتدار فرمانروا کی تلاش و تعین کی جائے:

(۱) جس کا اقتدار مستقل اور غیر مختتم ہونے کے ساتھ ساتھ نہ صرف پوری دنیا پر محیط ہو سکے بلکہ اسے دنیا کی تمام قوموں پر حکومت کرنے کا فی الواقع حق حاصل ہو۔

(۲) جس کے سامنے کسی شخص، قوم، ملک یا طبقہ کے لوگوں کو بھی جھکنے میں عار نہ ہو۔

(۳) جو خود تمام عیوب سے پاک اور تمام کمزوریوں سے بالاتر ہو۔

(۴) جس کا سلوک تمام بنی نوع انسان کے ساتھ یکساں مربیانہ اور تمام انسانوں کا تعلق اس سے یکساں رعیتانہ ہو۔

(۵) جو خود اپنی ذات میں ایسا صاحب قوت و جبروت ہو کہ کسی بڑے سے بڑے ملک، گروہ یا قوم کے لوگوں کو اور پوری دنیا کے لوگوں کو مل کر بھی اس کے سامنے دم مارنے کا یارا نہ ہو بلکہ وہ پوری پوری قوموں اور پوری دنیا سے بیک وقت باز پرس کرنے، حقداروں کو ان کے پورے پورے حقوق دلوانے اور مجرموں کو ان کے جرائم کی پوری پوری سزا دینے پر قدرت رکھتا ہو اور کوئی شخص کسی حال میں اس کی گرفت سے نہ بچ سکتا ہو۔

(۶) جو انسانوں کی فطرت، ان کی نفسیات، ان کے جذبات، ان کی ضروریات، ان کی خفیہ اور ظاہر قوتوں اور کمزوریوں ہی کا نہیں بلکہ اس کائنات میں کارفرما ساری قوتوں کا بھی ٹھیک ٹھیک علم رکھتا ہو اور جس کی نظر پوری انسانی دنیا اور ان کے ماضی و حال، اور مستقبل سب پر حاوی ہو تاکہ وہ

انسانی زندگی کے ایسے اصول اور ضابطے بنا سکے جو تمام ملکوں اور قوموں اور طبقوں کی وسعتوں اور کمزوریوں اور فلاح و بہبود کا یکساں لحاظ کرتے ہوں۔

(۷) جو ایسا سمیع و بصیر اور علیم و خبیر ہو کہ اس کے علم سے کوئی چیز باہر اور اس کی نظر سے کوئی چیز پوشیدہ نہ رہ سکتی ہو، اور آخری بات یہ کہ

(۸) جس کی شان اس قدر بلند ہو کہ اس کا مقابل اور ہمسر کوئی دوسرا ہو اور نہ ہو سکتا ہو۔

اپنے مطلوب عالمگیر فرمانروائی ان صفات کو ذہن میں رکھ کر جب ہم اس زمین پر فرمانروائی کے مختلف دعویداروں کا جائزہ لیتے ہیں تو بالکل بادی النظر میں یہ چیز متیقن ہو جاتی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی ان صفات کا شائبہ بھی اپنے اندر نہیں رکھتا اور ادھر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ اٹل اور قائم ہے کہ مذکورہ صفات کے فرمانروا کے علاوہ کسی دوسرے فرمانروا کی اطاعت کے لیے دنیا کی سب قومیں کیا، ان میں سے چند بھی برضا و رغبت تیار نہیں ہو سکتیں کیونکہ آخر کیا وجہ ہے کہ

ایک شخص اپنے ہی جیسے گوشت پوست کے دوسرے انسان کے سامنے
ایک قوم اپنی ہی جیسی ایک دوسری قوم کے سامنے
ایک ملک اپنے ہی جیسے ایک دوسرے ملک کے سامنے اور
ایک طبقہ اپنے ہی جیسے ایک دوسرے طبقے کے سامنے سر جھکائے۔

ہاں یہ ہو سکتا ہے اور ہو رہا ہے کہ ایک جماعت یا ایک قوم کچھ عرصے کے لیے دوسری جماعت یا قوم پر اپنا غلبہ یا رعب جما لے لیکن نہ یہ غلبہ مستقلاً رہ سکتا ہے اور نہ یہ رعب زیادہ دنوں تک چل سکتا ہے۔

اب جب ہم اس مطلوبہ عالمگیر فرمانروا یا بزبان عربی "الٰہ العلمین" کی تلاش میں اپنے گرد و پیش اور زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی خدا کی بے حد و حساب مخلوق پر نظر ڈالتے ہیں تو دو حقیقتیں ہمارے سامنے فوراً ہی نمایاں ہو کر آ جاتی ہیں کہ:۔

(۱) اس کائنات کے خالق نے جو ضرورت اور جس چیز کی طلب بھی انسان کے اندر رکھی ہے اسے پورا کرنے کا کامل درجے کا انتظام اس کائنات میں کر دیا ہے، اگر انسان کے اندر بھوک اور پیاس

رکھی ہے تو پوری زمین پر کھانے پینے کی لاتعداد اور انواع و اقسام کی چیزوں کا وسیع دستر خوان بچھا دیا ہے۔ اگر اسے بقاء زندگی کے لیے ہوا کی ضرورت ہے تو زمین کے گوشے گوشے میں، پہاڑوں کی غاروں سے لے کر اس کی بلند ترین پرواز سے بھی اوپر تک فضا کو اس سے بھر دیا ہے۔ اگر اسے قوت گویائی دی ہے تو اس کے سامنے ان گنت موضوعات بیان گفتگو رکھ دیے ہیں، اگر اسے عقل و دماغ سے نوازا ہے تو اسے اتنے وسیع اور بے شمار مسائل زندگی سے دو چار کر دیا ہے کہ قیامت تک اسے حل کرتا چلا جائے اور وہ ختم نہ ہوں۔ المختصر یہ کہ جس طرف اور جس حد تک بھی آپ نظر دوڑائیں کہیں کوئی کمی یا بھول دکھائی نہیں دیتی۔

(۲) دوسری چیز جو اس سے بھی زیادہ نمایاں اور کھلی ہوئی ہے وہ یہ کہ یہ پوری کائنات اور اس کا ایک ایک ذرہ کسی زبردست اور صاحب قوت و جبروت فرمانروا کے قوانین اور ضابطوں میں کسا ہوا ہے اور ان میں سے کسی شے کو بھی اس کے حکم کے خلاف سرمو حرکت و سرتابی کا یارا نہیں۔ سورج، چاند، زمین اور دوسرے سب اجرام فلکی، آگ، پانی، ہوا، جمادات، نباتات اور حیوانات، پیدائش، صحت، بیماری اور موت، عزت و ذلت، رزق اور دوسرے وسائل کی کمی بیشی، دیکھنے سننے، بولنے کی دوسری جو قوتیں انسان اور اس کائنات میں کام کر رہی ہیں یہ آزاد و خود مختار نہیں بلکہ صریح طور پر کسی کے حکم کے تابع اور کسی کے قانون کی پابند نظر آتی ہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کے لیے ایک مفصل لائحہ عمل، ایک متعین مقصد و پروگرام اور ایک اٹل مجموعہ قوانین موجود ہے۔ اس کائنات میں کارفرما یہی وہ قوانین و ضوابط ہیں جن کے لیے سائنس والوں نے خدا کے انکار یا اس سے انحراف کے بعد "قوانین قدرت" یا Laws of Nature کا نام تجویز کیا ہے اور جنھیں دین اسلام نے اپنی اصطلاح میں "آیات الٰہی" یا "خدا کی نشانیاں" کہا ہے کیونکہ انسان اگر چاہے تو ان کی مدد سے اپنی اور اس کائنات کی حقیقت کی طرف رہنمائی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اسے فی الواقع تلاش حق کی لگن ہو۔

مذکورہ بالا دو حقیقتوں کو سامنے رکھ کر جب ہم انسانی زندگی پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ

جہاں اس پوری کائنات اور خود انسان کی طبعی زندگی کے لیے ایک عالمگیر فرمانروا موجود ہے، اور اس کے عالمگیر ضوابط پورے قہر و غلبہ کے ساتھ ہر جگہ نافذ ہیں اور انسان کی ہر ضرورت اور ہر طلب کا بہت وافر سامان کیا گیا ہے وہاں انسان کی زندگی کے اختیاری حصہ یعنی اس کی اجتماعی، اخلاقی اور سیاسی زندگی کے لیے نہ بظاہر کوئی عالمگیر فرمانروا ہے، نہ عالمگیر ضابطہ اور نہ اس کی طبعی ضرورتوں سے بھی زیادہ اہم تر اس کی اس ضرورت کا کوئی سامان کیا گیا ہے۔ افراد سے لے کر اقوام و ممالک تک ہر ایک جو راستہ اور جو ضابطہ زندگی چاہیں گھڑ اور اختیار کر لینے کے لیے آزاد ہیں اور انھوں نے ایسا ہی کر بھی رکھا ہے۔ لیکن اس کائنات کے مزاج اور اس کے بنانے والے کی مجموعی سکیم کو دیکھتے ہوئے یہ صورت حال فطرت کے بالکل خلاف اور نظام عالم سے بالکل بے جوڑ معلوم ہوتی ہے کہ انسان کی ہر چھوٹی سے چھوٹی ضرورت کا لحاظ رکھنے والے نے اس کی اس اہم ترین ضرورت ہی کا خیال نہ رکھا ہو اور ذرے سے لے کر سورج تک اور جرثومے سے لے کر ہاتھی تک ہر ایک کے لیے مکمل نظام زندگی مقرر کرنے والے نے انسانی زندگی کے اس اہم ترین حصہ ہی کے لیے کوئی قانون وضابطہ نہ بنایا ہو۔ عقل، ضمیر، وجدان، مشاہدہ کائنات، اور علوم طبعی کے پورے ذخیرے یعنی سارے سائنٹیفک علوم کا ووٹ اس تصور کے بھی خلاف ہے اور وہ سب یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ انسان کی اجتماعی اور سیاسی زندگی کے لیے بھی ویسا ہی ایک عالمگیر فرمانروا اور ایک عالمگیر ضابطہ ہونا چاہیے جیسا کہ اس کائنات اور خود انسانوں کی طبعی زندگی کے لیے موجود ہے

یہ ہے وہ مقام جہاں تک کھلے دل اور کھلی آنکھوں اور غیر متعصب ذہن کا ہر انسان اپنے ہوش و گوش سے کام لے کر پہنچ جاتا ہے۔ اب اس مقام پر کھڑے ہو کر جب ہم شروع سے لے کر اب تک کی انسانی تاریخ اور واقعات عالم پر نگاہ ڈالتے ہیں تو دو چار نہیں، دو چار سو نہیں، دو چار ہزار نہیں لاکھوں کی تعداد میں انسانوں کا ایک ایسا گروہ ہمارے سامنے آتا ہے جو سب کا سب بہترین سیرت و اخلاق کا حامل، ذہنی و اخلاقی اعتبار سے اپنے اپنے زمانے کی سوسائٹی میں سب سے ممتاز، دوست و دشمن کا یکساں معتمد ہے۔ جس میں کے ایک ایک فرد کے بدترین دشمنوں نے

ہمیشہ ان کی لغزشوں کی جستجو کرنی چاہی لیکن کہیں ایک جگہ بھی انگلی نہ رکھ سکے، اور پھر یہ کسی ایک قوم کے نہیں، ایک ملک کے نہیں، ایک طبقے کے نہیں، ایک زمانے کے نہیں بلکہ سب کے سب مختلف قوموں کے، مختلف ممالک کے، مختلف طبقات کے، اور مختلف زمانوں کے لوگ ہیں مگر سب کے سب ایک زبان ہو کر اپنی اپنی قوموں، ملکوں، طبقوں اور زمانوں کے لوگوں سے یہ ایک ہی بات کہتے ہیں کہ جس چیز کا تمہاری عقل، ضمیر، وجدان اور تمہارے علوم طبعی تقاضہ کرتے ہیں واقعہ میں بھی ویسا ہی ہے۔ اس کائنات اور خود تمہاری زندگی کے طبعی حصہ میں جس طرح ایک عالمگیر فرمانروا ہے اسی طرح تمہاری اجتماعی، اخلاقی اور سیاسی زندگی کے لیے بھی ایک ہی فرمانروا ہے اور وہ وہی ہے جس نے اس کائنات اور اس کی ہر چیز کو خلق کیا ہے، جس کا قانون اور حکم اس پورے کارخانہ عالم میں پوری قوت سے کارفرما ہے، جس کے تم اپنی ایک ایک ضرورت کے لیے محتاج ہو، جس کے ہاتھ میں تمہاری زندگی، تمہاری موت، تمہاری صحت و تندرستی، تمہاری ترقی، تمہارا تنزل، تمہارا رزق اور تمہاری زیست کے سارے سامان ہیں۔ وہی تمہارا اور اس ساری کائنات کا حقیقی حاکم اور اصل فرمانروا ہے، تمہارے لیے لازم ہے کہ اپنی زندگی کے اختیاری حصے میں بھی اس کی اطاعت و فرمانبرداری اسی طرح کرو جس طرح طبعی دنیا میں چار و ناچار کر رہے ہو۔

اب اس خالق اور مدبر کائنات کو عالمگیر فرمانروائی ان صفات کی روشنی میں دیکھیے جو آپ نے اوپر متعین کیے ہیں۔

وہ قائم بالذات ہے، اس کا اقتدار مستقل، غیر مختتم اور محیط کل ہے۔ اسے جس طرح اس زمین و آسمان کی دوسری چیزوں پر حکومت و فرمانروائی کا حق حاصل ہے اسی طرح اسے تمام بنی نوع انسان پر فرمانروائی کا بھی پورا پورا حق حاصل ہے کیونکہ اسی نے ہمیں خلق کیا، اسی کی زمین پر ہم رہتے ہیں، اسی کا دیا رزق کھاتے ہیں، اسی کا پیتے اور کھاتے ہیں، اسی کی ہوا میں سانس لیتے ہیں، اپنی ایک ایک ضرورت و احتیاج کے لیے اسی کے محتاج ہیں، یہ آنکھ، کان، ناک، زبان، دل، دماغ اور ہمارے جسم اور اس کائنات کا ایک ایک ذرہ اسی کی ملک اور اسی کے حکم کے تابع ہے، جب تک

وہ چاہتا ہے تب ہم اُن سے کام لیتے ہیں اور فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب وہ چاہتا ہے وہ ان سے ہمیں محروم کر دیتا ہے۔

پھر وہ تمام عیوب سے پاک، تمام کمزوریوں سے بالاتر، تمام بنی نوع انسان کا یکساں مربی کسی کے لیے اس کے سامنے سر جھکانا باعث عار نہیں، اس کی قوت و جبروت کا یہ عالم کہ اس کائنات کے انتظام میں کسی کی مدد و تعاون کا محتاج نہیں، پوری پوری قوموں اور ملکوں کو بیک وقت بلکہ پوری کائنات کو جب چاہے چشم زدن میں تہ و بالا کر دے۔ مختصر یہ کہ ایک عالمگیر فرمانروا کی جو ممکن خصوصیات ہمارے ذہن میں آتی ہیں ان سب کا وہ بدرجہ اتم حامل ہے۔

ایک عالمگیر فرمانروا یعنی "وحدت الٰہ" کا مسئلہ اس طرح حل کر لینے کے بعد جب ہم مستقل عالمگیر امن کی دوسری ناگزیر ضرورت یعنی "وحدت انسان" پر غور کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بنی نوع انسان کی مختلف قوموں اور نسلوں اور گروہوں میں یہ امتیاز اور کشاکش اور ایک دوسرے پر یہ تفوق سراسر بے بنیاد اور مصنوعی ہے اور اس کے لیے کوئی اصل موجود نہیں۔ جس اختلاف مزاج و طبیعت اور رنگ و عادت کی بنا پر لوگوں نے اپنے آپ کو الگ الگ قوموں، نسلوں اور گروہوں میں بانٹ کر آپس میں یہ اودھم مچا رکھا ہے ویسا اختلاف تو بسا اوقات ایک ہی قوم کے لوگوں میں بلکہ ایک ہی ماں کے دو بیٹوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان اتفاق یا اختلاف کے لیے اگر کوئی صحیح اور فطری بنیاد ہو سکتی ہے تو وہ صرف خیالات، عقیدے اور اخلاق کا اتفاق یا اختلاف ہے، اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس بنیاد پر ایک ماں کے دو بیٹے مختلف اور مشرق و مغرب کا بعد رکھنے والے دو آدمی متفق ہو سکتے ہیں۔ رہا نسل یا رنگ یا وطن یا زبان کے اختلاف کو دوستی و دشمنی کی بنیاد بنانا تو یہ ایک بے معنی اور مہمل بات ہے۔ آخر یہ کہنا کس معقول منطق و فلسفہ یا عقلی دلیل کی رو سے صحیح ہو سکتا ہے کہ فلاں دریا، پہاڑ یا لکیر کے اس طرف جو بچہ پیدا ہوتا ہے یا فلاں زبان بولتا ہے اور فلاں رنگ رکھتا ہے وہ تو اپنا ہے اور اسے ہم پر سارے حقوق حاصل ہیں لیکن جو بچہ اُن کے اس پار پیدا ہوتا ہے یا فلاں زبان بولتا اور فلاں رنگ رکھتا ہے وہ غیر ہے

اور اسے ہم سے اور ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہم تو جب اس زمانے کے رائج الوقت ان نظریات اور افکار پر غور کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ کس طرح یہ نظریے انسانوں کے دل و دماغ میں پیدا ہوئے اور کس طرح ان کے عقل و ضمیر نے انھیں قبول کیا اور پھیلانے کی اجازت دی موٹی سے موٹی عقل کا آدمی بھی یہ دیکھ سکتا ہے کہ گورے اور کالے، انگریز اور جرمن اور ہندوستانی اور غیر ہندوستانی میں ویسا اختلاف تو نہیں پایا جاتا جیسا بیل اور گھوڑے میں ہے یا اونٹ اور بکری میں ہے کہ انھیں الگ الگ جنس قرار دیا جائے۔ یہ گورے اور کالے، انگریز اور جرمن، ہندوستانی اور غیر ہندوستانی سب ایک ہی گوشت پوست سے بنے ہیں، جسم و دماغ اور اعضا و جوارح کی تمام قوتیں ایک سی رکھتے ہیں، ان سب کے نفسیات، جذبات، احساسات اور دوسری ساری صلاحیتیں اور کمزوریاں یکساں ہیں، کہیں کوئی ایک شے بھی ایسی موجود نہیں جس سے انھیں الگ الگ اجناس قرار دیا جا سکے۔ ان سے متعلق تمام چیزیں اسی طرف رہنمائی کرتی ہیں اور انسانی عقل اسی کا تقاضا کرتی ہے کہ وہ سب انسان ہیں اور یکساں انسان ہیں۔ یہاں پھر جب ہم عقل و شواہد کے اس تقاضے کو لے کر کھڑے ہوتے ہیں تو برگزیدہ انسانوں کا وہی گروہ جس نے ہمیں "وحدت الٰہ" یعنی ایک عالمگیر فرمانروا کا مسئلہ بتایا تھا پھر نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے اور یکزبان ہو کر کہتا ہے کہ عقل و شواہد کا یہ تقاضا بھی بالکل حق ہے، سب انسان گورے ہوں یا کالے، عربی ہوں یا عجمی سب ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ان کی قبائل اور قوموں میں تقسیم کی اہمیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ یہ ان کے پہچانے جانے کا ذریعہ ہیں۔

اس کائنات کی یہی دو بنیادی حقیقتیں یعنی "وحدت الٰہ" اور "وحدت انسان" ہیں جن کی دعوت اس برگزیدہ گروہ کے ایک ایک فرد نے اپنے اپنے وقت میں اپنے مخاطب لوگوں کو دی اور ہماری اور خود اسلام کی دعوت بھی انہی دو بنیادی حقائق کی طرف ہے۔ اسلام کوئی نیا دین نہیں، قرآن کوئی نئی کتاب نہیں اور نہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی انوکھی دعوت پیش کی کہ جو ان سے پہلے ہوئے ہوئے خدا کے برگزیدہ بندوں کی دعوت سے الگ ہو۔ جو دین اور جو دعوت حق انسانیت کی ابتداء

سے تمام ملکوں اور قوموں کے پیغمبر پیش کرتے رہے اسی دین اور دعوت حق کا موجودہ نام "اسلام" ہے
اُسی دین اور دعوت حق کا آخری مستند ایڈیشن قرآن ہے اور اسی دین اور دعوت حق کے آخری علمبردار
محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ ہندوستان، چین، یورپ، امریکہ، ایران، عرب ہر جگہ خدا کی طرف سے
آنے والے اخلاقی اور اجتماعی زندگی کے رہنماؤں نے یہی نظام حیات پیش کیا تھا جسے اب اللہ تعالیٰ نے
قرآن اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا ہے۔ یہ سب انسانوں کی
مشترک میراث ہے، کسی ایک قوم، ملک یا گروہ کی ملکیت نہیں۔ اسلام اور قرآن نے تمام
بنی نوع انسان کو مخاطب کر کے اپنی بنیادی دعوت کو اس طرح پیش کیا ہے:

"لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گذرے ہیں اُن
سب کا خالق ہے، تمہارے (دنیا میں غلط بینی و غلط کاری سے اور مرنے کے بعد خدا کے عذاب سے) بچنے
کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔ (تم دیکھتے نہیں کہ) وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا
فرش بچھایا، آسمان کی (ستاروں بھری) چھت بنائی، اوپر سے پانی برسایا اور اس کے ذریعے
سے انواع و اقسام کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق کا سامان کیا۔ پس جب تم یہ سب کچھ دیکھتے
اور جانتے ہو تو دوسروں کو اللہ کا مدمقابل (یعنی اس کے ساتھ اپنی بندگی و اطاعت کے حقدار)
نہ ٹھیراؤ۔" کیونکہ "اللہ یعنی وہ زندۂ جاوید خدا جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اور اسے چلا رہا
ہے، اس کے سوا حقیقت میں تمہارا کوئی معبود و فرمانروا نہیں، نہ اسے اونگھ لگتی ہے، نہ نیند آتی
ہے، زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کا ہے، کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت
کے بغیر سفارش کر سکے، جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اسے بھی جانتا ہے اور جو کچھ ان سے اوجھل ہے
اس سے بھی وہ واقف ہے...... اس کی حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان
کی نگرانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔ البتہ دین (یعنی اخلاقی اور اجتماعی زندگی میں خدا
کی اطاعت کرانے) کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں کی گئی بلکہ تمہیں عقل و تمیز دے کر صحیح اور
غلط دونوں راستے صاف صاف تمہارے سامنے رکھ دیے گئے ہیں ہاں یہ جان لو کہ جس نے

باقی سب کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت و بندگی اختیار کر لی اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور جس کا سہارا اس نے لیا ہے وہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

(۷) لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت دنیا میں پھیلائے۔ اس خدا سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور آپس کے تعلقات بگاڑنے سے پرہیز کرو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔"

"اے لوگو! ہم نے تمھیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور تمھیں کنبوں اور قبیلوں میں اس لیے بانٹ دیا ہے کہ ایک دوسرے کو پہچان سکو ورنہ تم میں سے بزرگ اور مستحق احترام تو وہی ہے جو اللہ سے زیادہ ڈرنے والا اور اس کے قانون کا سب سے زیادہ پابند ہے۔"

قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ خدا کی طرف سے جو جب اور جہاں بھی کوئی کتاب آئی اور جو جب اور جہاں بھی کوئی پیغمبر آیا اُس کی بنیادی تعلیم یہی تھی اور اس کے ماننے والے تمام انسانوں کا فرض ہے کہ انہی بنیادوں پر اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تعمیر و تشکیل کریں اور اپنی اور معاشرے کی زندگی سے ہر اس شے کو خارج کر دیں جو ان دو بنیادی حقائق سے متعارض ہو۔

خدا کے ان برگزیدہ بندوں کی اسی دعوت اور مشن کی علمبرداری کے لیے جماعت اسلامی وجود میں آئی ہے اور وہ اپنی اس دعوت اور اپنے اس مقصد کو تمام بنی نوع انسان کے روبرو اسی طرح بلا تمیز ملک و ملت پیش کرتی ہے جس طرح اس دعوت کے اصل علمبرداروں یعنی انبیاء کرام نے اسے پیش کیا تھا۔ ہم اپنے انہی رہنماؤں کے طریقے کے مطابق تمام قومی، نسلی اور ملکی تعصبات توڑ کر سرتاپا اسی دعوت اور اس کے اصولوں سے وابستگی پیدا کرنے کا عزم اور تہیہ کر چکے ہیں۔ ہم تمام بنی نوع انسان اور بالخصوص ان لوگوں سے جو موجودہ صورت حال سے بیزار اور غیر مطمئن ہیں، جن کے قلب و ضمیر روزمرہ رونما ہونے والے واقعات پر دن رات کڑھتے ہیں، جو امن عالم کے خواہشمند، موجودہ نظام ہائے زندگی سے نالاں اور ان کے بجائے حق و انصاف اور امانت

و دیانت کا دور دورہ چاہتے ہیں، یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ تمام قومی، نسلی اور دوسرے تعصبات سے بالاتر ہو کر ہماری اس دعوت کو سنیں، اس کو سمجھنے کی کوشش کریں اور اس کے حسن و قبح کو اسی طرح کھلے دل سے جانچیں اور پرکھیں جس طرح وہ دنیا کی دوسری دعوتوں اور تحریکوں کو کھلے دل سے جانچتے اور پرکھتے ہیں۔ اس وقت دنیا کو بہرحال ایک ایسے نظام اجتماعی کی ضرورت ہے جو پوری انسانی دنیا کے جسم پر فٹ آجائے اور تمام ملکوں اور قوموں کو ملا کر ایک یونٹ (Unit) بنا دے۔ ملک ملک اور قوم قوم کی الگ الگ تنظیم و معاشرت اور علیحدہ علیحدہ نظام ہائے سیاسی کا زمانہ گزر چکا۔ اب آئندہ دنیا میں وہی تحریک، دعوت اور نظریہ و مسلک پھیل سکے گا اور زندہ رہے گا جو تمام انسانی دنیا کو ایک کر کے واحد نظام اجتماعی تعمیر کر سکتا ہو اور یہ جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں پیغمبروں کی مذکورہ بالا دعوت کے سوا اور کہیں موجود نہیں اس لیے اگر دنیا فی الواقع سنجیدگی سے اپنے مسائل کے صحیح حل کی تلاش میں ہے تو اس کے لیے اس دعوت کو قبول کیے بغیر چارہ نہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنے تعصب، عناد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ کچھ مزید نقصان اٹھانے کے بعد اس طرف متوجہ ہو۔

ہماری اصل اور بنیادی دعوت تو یہی ہے کہ دنیا اگر واقعی اپنی مشکلات کا عالمگیر اور مستقل حل چاہتی ہے تو خدا کے پیغمبروں کو اپنی اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی زندگی میں اپنا لیڈر بنائے اور یہی دعوت ہم تمام نبی نوع انسان کے سامنے بلا تمیز ملک و ملت پیش کرتے ہیں۔ لیکن خاص طور پر مسلمانوں کے سامنے، جو اپنے آپ کو انبیاء کے جانشین، ان کی دعوت کے علمبردار اور ان کی تعلیمات کے پیرو کہتے ہیں، ہم چند چیزیں اور بھی پیش کرتے ہیں، اور وہ یہ کہ اگر وہ واقعی یہ دعوے رکھتے ہیں کہ وہ انبیاء کے جانشین، ان کی دعوت کے علمبردار اور ان کی تعلیمات کے پیرو ہیں ——— اور ظاہر ہے کہ اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنے کے یہی معنی ہیں ——— تو وہ اپنی انفرادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی، اپنے اخلاق و سیرت، اپنے تمدن و معاشرت، اپنے لین دین اور اپنے معاشی اور تجارتی کاروبار اور اپنے تمام انفرادی، قومی اور بین الاقوامی تعلقات کا جائزہ

لے کر دیکھیں کہ وہ کس حد تک اسلام کے مطابق ہیں؟ اگر وہ اسلام کو اپنا دین مانتے ہیں تو اس دین کو واقعی اپنا دین بنائیں، اس کو انفرادی طور پر اپنی زندگی میں اور اجتماعی طور پر اپنے گھروں میں، اپنے خاندانوں میں، اپنی سوسائٹی میں، اپنی تعلیم گاہوں میں، اپنے ادب اور صحافت میں، اپنے کاروبار اور معاشی معاملات میں، اپنی انجمنوں اور قومی اداروں میں اور بحیثیت مجموعی اپنی قومی پالیسی میں عملاً قائم کریں اور اپنے قول اور عمل ہر چیز سے اس امر کی سچی شہادت دیں کہ وہ فی الواقع اسلام ہی کی بتائی ہوئی راہ کو صحیح اور راہ نجات یقین کرتے ہیں۔ ہم ان سے کہتے ہیں کہ مسلمان ہونے کی حیثیت سے دین کو ٹھیک ٹھیک قائم کرنا اور حق کی سچی گواہی دینا تمہاری زندگی کا اصل اور واحد مقصد ہے اس لیے تمہاری تمام سعی و عمل کا مرکز و محور اسی چیز کو ہونا چاہیے، ہر اس بات اور کام سے دستکش ہو جاؤ جو اسلام کی ضد ہو اور جس سے اسلام کی غلط نمائندگی ہوتی ہو۔ اسلام کو سامنے رکھ کر اپنے پورے قولی اور عملی رویہ پر نظرثانی کرو اور اپنی تمام کوششیں اس راہ میں لگا دو کہ دین پورا کا پورا عملاً قائم ہو جائے، اس کی شہادت ٹھیک ٹھیک ادا ہو اور اس کی طرف دنیا کو ایسی دعوت دی جائے کہ اہل دنیا پر خدا کے دین کی حجت تمام ہو جائے۔ اور اگر تم ایسا کرنا نہیں چاہتے تو براہ کرم اپنے کاموں میں اور اپنے لغزشوں میں اسلام کا نام لے کر اسے بدنام نہ کرو اور اپنے لڑائی جھگڑوں میں خواہ مخواہ اسلام کو ایک فریق بنا کر اس سے دوسروں کو متنفر نہ کرو۔ ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے صاف صاف کہتے ہیں کہ مسلمان ہو کر نامسلمان بنے رہنا اور خدا کے دین کی غلط نمائندگی کر کے دوسروں کو بھی خدا کے دین سے متنفر کرنا اور دوسروں کے لیے بھی ہدایت کا دروازہ بند کر دینا وہ جرم ہے جو آپ کو دنیا میں بھی پنپنے نہ دے گا اور آخرت میں بھی رسوا کر کے چھوڑے گا۔ اس جرم کی جو سزا قرآن نے بتائی ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ یہودی قوم نے یہی روش خدا کے دین کے ساتھ اختیار کی تھی، ان کی مثال آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اگر کوئی دوسری قوم خدا کے دین کے ساتھ ویسی ہی بازی کھیلے گی تو وہ بھی اس انجام سے بچ نہیں سکتی۔

اب جماعت کے کام کی تفصیلات بیان کرنے سے پہلے میں آپ کے سامنے وہ حالات بھی

مختصر الفاظ میں رکھ دینا چاہتا ہوں جن میں سے ہمیں اور ملک کے دوسرے باشندوں کو گذشتہ سال میں گذرنا پڑا ہے کیونکہ کام کی رفتار کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے اِن حالات کو سامنے رکھنا بھی ضروری ہے:-

ملک کے عام حالات یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ یہ سال ہندوستان کی تاریخ کا بدترین سال تھا۔ اس سے پہلے بھی مختلف قوموں اور گروہوں میں نزاع ہوتی تھی، فساد بھی ہو جاتا تھا اور دوسری بھی کئی قسم کی خرابیاں سامنے آتی رہتی تھیں لیکن اس سال جو کچھ آنکھوں نے دیکھا اور اس سے بھی زیادہ جو کچھ کانوں نے سنا اس کی کوئی مثال دور دور تک انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ نہ صرف یہ کہ وسیع پیمانے کے فساد سے ملک کا کوئی گوشہ محفوظ نہ رہ سکا بلکہ بعض علاقوں میں تو ایک پوری قوم نے بحیثیت قوم متحد اور مسلح ہو کر دوسری کمزور ہمسایہ قوم کو بحیثیت مجموعی ملیا میٹ کر دینے کا باقاعدہ پروگرام بنا کر جنگ کی، سرکاری ملازموں اور امن کے محافظوں تک نے اس میں حصہ لیا اور اس سے بھی زیادہ افسوسناک اور شرمناک یہ کہ واقعات و قرائن نے یقینی طور پر بتادیا کہ بعض جگہ مقامی حکومتوں کے وزراء تک کا ایما یا کم از کم اغماض اس میں شامل تھا۔

یہ فسادات جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک کے امن و امان کو جلاتے رہے، قوم پرست لیڈروں، مفسد رہنماؤں اور خود غرض اخبار نویسوں نے نفرت، غصہ اور اشتعال پھیلانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، زہر سے بجھی ہوئی تقریروں، بیانوں اور مضامین نے مختلف قوموں کے عوام کو پاگل پن کی حد تک غصہ اور تلخی سے بھر دیا۔ حتیٰ کہ قومی منافرت اور دشمنی کی آگ گھر گھر، محلہ محلہ بازار بازار اور گاؤں گاؤں میں پھیل گئی۔ اس طرح جب ملک میں فساد کی وبا پھوٹ پڑی تو متوسط اور تعلیم یافتہ طبقہ بھی جو ہر سوسائٹی میں دراصل فیصلہ کن عنصر ہوتا ہے خانہ جنگی کی رو میں آہستہ آہستہ بہنے لگا اور اس وقت حال یہ ہو گیا ہے کہ ہندوستان کی پوری آبادی میں شائد گنے چنے لوگ ہی ہوں گے جو واقعات و حالات کو خالص انسانی اور حق و انصاف کی نظر سے دیکھنے والے ہوں، ورنہ آج ایک عام ہندو، سکھ اور مسلمان قومی تعصب سے بھرپور ہے اور اس کے دل میں اپنی حریف قوم کے خلاف عداوت کی بھٹی سلگ رہی ہے۔ ان میں سے ہر ایک تعصب سے اس قدر اندھا ہو رہا ہے کہ

دوسروں کی برائیاں اور زیادتیاں تو اسے دکھائی دیتی ہیں مگر خود اپنی قوم کے کرتوت اس کو نظر نہیں آتے، دوسروں پر نکتہ چینی کے لیے تو اس کی زبان نہایت تیز ہے مگر خود اپنی قوم کے لیڈروں اور سیاسی جماعتوں کے رویہ کو وہ تنقید سے بالاتر سمجھ رہا ہے، دوسروں کو اس نے سرتاپا عیب اور خود اور اپنی قوم کو معصوم فرشتہ سمجھ رکھا ہے، اور حد یہ ہے کہ اب ان لوگوں کو یہ احساس بھی نہیں رہا ہے کہ جن مذہبوں کا نام یہ لیتے ہیں ان کی تعلیمات کیا ہیں اور ان کو یہ بری طرح پامال کر رہے ہیں

ظاہر ہے کہ جب ملک بھر میں فتنہ و فساد برپا ہو، قتل و خونریزی اور سفاکی و غارتگری کے واقعات دن رات چاروں طرف رونما ہو رہے ہوں، راتوں کی نیند اور دن کا چین ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک رخصت ہو چکا ہو، ہر شخص کی جان، مال اور آبرو اپنے ہی دوست احباب اور ہمسایوں کے ہاتھوں خطرے میں پڑ گئے ہوں، ہر لیڈر اور ایڈیٹر اپنے جتھے کے لوگوں کو قوم پرستی کی شراب پلا پلا کر بدمست اور پاگل بنا رہا ہو، دین و مذہب کے علمبردار تک خدا ترسی، اخلاق اور حق و انصاف کی طرف لوگوں کو بلانے کے بجائے خود ہی قومیت اور وطنیت کے پجاری بن کر کھڑے ہو گئے ہوں اور پھر اسی زمانے میں ملک کا اقتدار بھی ایک ناخداترس اجنبی قوم کے ہاتھوں سے نکل کر وراثت کے طور پر نہیں بلکہ انقلاب زمانہ کی وجہ سے حریف اور جنگ و جدال میں مبتلا قوموں کے ہاتھوں میں منتقل ہو رہا ہو تو ایسی حالت میں لوگوں کی بے چینی، ذہنی انتشار اور پراگندگی کا کیا حال ہوگا؟

جماعت کا حلقۂ اثر ان حالات میں بظاہر تو یہ توقع نہیں کی جاسکتی تھی کہ لوگ رائج الوقت نظریات و عقائد کے خلاف کچھ سننے کے لیے بھی تیار ہوں گے، چنانچہ بعض حلقوں میں ہم نے اسے واضح طور پر محسوس کیا بھی، لیکن عام طور پر ہم نے یہی پایا کہ عام انسانوں کی فطرت ابھی تک نہیں بگڑی ہے، وہ خود شرارت نہیں کرنا چاہتے، نہ کسی خرابی کو پسند کرتے ہیں، نہ کسی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اور نہ کوئی دوسرا نقصان پہنچانے کے لیے تیار ہوتے ہیں جب تک کہ ان کے لیڈر اور اخبارات ان کے جذبات بھڑکا کر اور ان میں قومی خودغرضی اور ہمسایہ قوموں کے خلاف نفرت پیدا کر کے پہلے انھیں پاگل نہ بنا دیں۔ پھر یہ بھی ہمارا مشاہدہ ہے کہ وقتی جوش ٹھنڈا پڑ جانے کے بعد فساد کے سرغنے خواہ سوچیں یا نہ سوچیں

عام مرد اور عورتیں بلاشبہ سوچنے لگتے ہیں اور اگر ان کے سامنے حق و انصاف اور خدا ترسی کی بات پیش کی جائے تو مسلمان، ہندو اور سکھ سب یکساں اسے سنتے بھی ہیں، اور غور بھی کرتے ہیں اور اس کا ساتھ دینے کا وعدہ بھی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان سارے ہنگاموں کے باوجود جماعت اسلامی کی دعوت ہر حلقے میں پھیلتی رہی ہے اور اس نے لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔

اندرون ملک اس وقت ملک کا کوئی صوبہ اور علاقہ بجز اڑیسہ کے ایسا نہیں رہا جہاں ہماری آواز نہ پہنچ گئی ہو اور جہاں کے کچھ نہ کچھ لوگ ہم سے کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ نہ ہوں۔ اڑیسہ، آسام اور بلوچستان کے سوا ہر صوبے میں کئی کئی جماعتیں اور منفرد ارکان موجود ہیں۔ بلوچستان میں اگرچہ اب تک نہ باقاعدہ کوئی جماعت بنی ہے اور نہ کسی کو اب تک باقاعدہ رکن بنایا گیا ہے لیکن وہاں کئی مقامات پر ایسے منفرد ارکان و اشخاص اور حلقے وجود میں آگئے ہیں جو جماعتی کام اور پروگرام کی پابندی میں کسی باقاعدہ رکن اور جماعت سے پیچھے نہیں ہیں۔ امید ہے انشاء اللہ بہت جلد وہاں جماعت کی تشکیل بھی ہو جائے گی اور منفرد ہمدرد منفرد ارکان بن جائیں گے۔ آسام سے بھی اس سال کے دوران میں رکنیت کی ایک درخواست موصول ہوئی لیکن ہماری پالیسی یہ ہے کہ کسی علاقے سے پہلے آنے والے لوگوں کو انتہائی حد تک پختہ کرلینے کے بعد جماعت میں لیتے ہیں اس لیے انھیں بحیثیت ہمدرد اور امیدوار رکنیت کے کام کرنے کی ہدایت کر دی گئی۔

ریاست چترال اور سرحد پار آزاد قبائل کے چند لوگ بھی جماعت سے متعارف ہوگئے اور ان ہر دو علاقوں سے رکنیت کے لیے ایک ایک درخواست بھی آئی لیکن انھیں بھی بطور ہمدرد کام کرنے کی ہدایت کی گئی۔

جماعت کا حلقۂ اثر بہت زیادہ وسیع ہو جاتا لیکن ملک میں بدامنی کی وجہ سے ذہنی بے چینی کے علاوہ ریل، ڈاک اور دوسرے وسائل آمدورفت پر جو اثر پڑا اس کے نتیجے کے طور پر جماعت کا لٹریچر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں بھی نہ صرف دشواریاں پیش آئیں بلکہ مہینوں بیکار پڑا رہا۔ اب تک کئی بڑے شہروں کا بکنگ بند ہے اور ڈاک کے ذریعے سے لوگ تھوڑی تھوڑی سی کتابیں

منگوا کر کام چلا رہے ہیں۔ اس کے باوجود ہمارا اندازہ ہے کہ اس ملک کے ایک کروڑ سے زائد لوگ کسی نہ کسی حیثیت سے اس تحریک سے واقف ہو چکے ہیں۔

بیرون ہند عرب میں اس وقت تین جگہ ہمارے تین باقاعدہ ہمدرد موجود ہیں۔ ان میں سے دو تو دارالاسلام بھی آچکے ہیں۔ اس کے علاوہ گذشتہ سال ہمارے کئی ارکان اور ہمدرد حج کے لیے تشریف لے گئے اور وہاں کئی جگہ مختلف اشخاص کے پاس لٹریچر کی بہت سی کتابیں چھوڑ آئے لیکن جب تک ہمارا عربی لٹریچر تیار نہ ہو جائے وہاں کا کام آگے بڑھنا ممکن نہیں۔ البتہ مکہ معظمہ میں ہندوستانی مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد موجود ہے اگر وہاں کسی ہندوستانی مسلمان کو ہم متاثر کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ان لوگوں میں اردو لٹریچر کے ذریعہ سے بھی کام کی ابتدا کی جا سکے گی۔

ایران، فلسطین اور عراق میں بھی اس سال مسلسل لٹریچر جاتا رہا لیکن اسے منگوانے والے ہندوستان کے لوگ ہی تھے۔ فلسطین اور عراق میں جن لوگوں نے لٹریچر منگوایا وہ بہت سرگرم ہمدرد ہیں اور جس جذبے اور ایثار سے انھوں نے وہاں کام کیا ہے وہ فی الواقع ارکان جماعت تک کے لیے قابل رشک اور قابل تقلید ہے۔

مولانا مسعود عالم صاحب رئیس دارالعروبہ کی کوشش اور مراسلت سے مصر، شام، مراکش اور دمشق کے کئی علمی اور دینی ادارے جماعت کی تحریک سے واقف ہو چکے ہیں اور ان میں سے بعض کے ساتھ روابط بھی قائم ہو گئے ہیں۔ امید ہے کہ عربی لٹریچر کی اشاعت شروع ہو جانے کے بعد تعلقات کا یہ سلسلہ تمام عربی ممالک اور ملایا، جاوا اور سماٹرا تک پھیل جائے گا۔

افریقہ میں ممباسہ اور نیروبی (کینیا کالونی)، مزوکا (شمالی روڈیشیا)، درکانڈ (ناٹال) سینڈرٹن اور جوہنسبرگ (ٹرانسول) اولینٹر (نیا سالینڈ) ان مقامات پر ہمارے باقاعدہ ہمدرد اور رسالے اور لٹریچر کے خریدار موجود ہیں، اور ممباسہ میں ایک صاحب نے، جو مسجد کے خطیب ہیں، کچھ منظم کام کی داغ بیل بھی ڈال دی ہے۔

پورٹ لوئیس جو جزیرہ ماریشس کا دارالسلطنت ہے وہاں بھی دو حضرات ہمارے ہمدرد اور

لٹریچر کے خریدار پیدا ہوگئے ہیں۔

انگلستان میں اس وقت مانچسٹر، لندن، لیڈز اور بلیچلے بکس (Bletchley Bucks) میں ہمارے لٹریچر اور رسالے کے خریدار موجود ہیں۔ مانچسٹر میں ایک رکن اور تین ہمدرد ہیں جو ایک حلقے کی شکل میں منظم ہیں، لندن میں دو ہمدرد ہیں، لیڈز اور بلیچلے بکس میں ایک ہمدرد ہے۔ یہ سب ہندوستانی طلبہ ہیں جو اپنی تعلیم کے سلسلے میں وہاں گئے ہوئے ہیں اور اپنی حد تک اس دعوت کو پھیلانے کا کام کر رہے ہیں۔

امریکہ میں بھی اس سال ہمارے ایک ہمدرد اپنی تعلیم کے سلسلے میں پہنچے ہیں، وہ کیلیفورنیا میں مقیم ہیں اور وہاں لٹریچر منگوا رہے ہیں۔ ان ممالک میں کام کے آگے بڑھنے کا انحصار تمام تر انگریزی لٹریچر پر ہے جس کی ہمارے پاس اب تک بہت کمی ہے۔ اگر آئندہ سال ہم اپنا انگریزی دارالاشاعت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے تو امید ہے کہ یہ رفتار اچھی خاصی تیز ہوجائے گی۔

ادھر مشرق کی طرف رنگون میں بہت سے لوگ ہمارا لٹریچر منگوا رہے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں اب تعلیم یافتہ لوگوں کی توجہ اس دعوت کی طرف منعطف ہو رہی ہے کیونکہ مقامی تاجران کتب نے بھی لٹریچر منگوانا شروع کردیا ہے، بٹاویہ (بورنیو) اور ملاکا (ملایا) میں بھی ہماری آواز پہنچ گئی ہے۔ لیکن اب تک یہ تمام اشاعت ان ہندوستانیوں میں ہو رہی ہے جو بیرونی ممالک میں مقیم ہیں۔ دوسری قوموں تک اس کے پہنچنے کا انحصار عربی اور انگریزی لٹریچر کی اشاعت پر ہے۔

غیر مسلم حضرات

غیر مسلموں میں اس سال کوئی خاص قابل ذکر کام نہیں ہوسکا اور اس کی وجہ ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی قومی کشمکش ہے جو اس وقت اس درجہ بڑھ گئی ہے کہ نہ صرف ایک قوم دوسری قوم ہی سے نفرت کرنے لگی ہے بلکہ اس کی تہذیب، اس کے تمدن اور اس کے افکار و نظریات اور عقائد تک سے متنفر ہوگئی ہے۔ اس کشمکش کی بدولت ہمارے ہندو اور سکھ بھائیوں کو اسلام اور اس کی تعلیمات سے اس قدر بُعد ہوگیا ہے کہ بعض مقامات سے ہمیں یہ اطلاعات بھی ملیں کہ وہاں انھوں نے صرف مسلم لیگ اور اس کی قومی مطالبات ہی کے خلاف

نعرے بلند کرنے پر اکتفا نہ کیا بلکہ خود اسلام اور اس کے کلمہ کے خلاف بھی نازیبا باتیں کہہ گزرے۔ ان کی اس نفرت کا اندازہ اس امر سے بآسانی کیا جا سکتا ہے کہ گاندھی جی جیسے ان کے محبوب لیڈر اور رہنما نے دہلی کی بالمیکی مندر میں قرآن کریم پڑھنے کی اجازت چاہی تو حاضرین نے ان سے مندر سے نکل جانے کا تقاضہ کیا اور اس زور سے اپنی برافروختگی کا مظاہرہ کیا کہ پولیس مداخلت کرنے پر مجبور ہوگئی۔

لیکن ان ساری چیزوں کے باوجود جیسا کہ ہم بار بار اس کا اظہار کر چکے ہیں، ہمارا فیصلہ اب بھی یہی ہے کہ غیر مسلموں کی ساری دشمنی اور عداوت دراصل اسلام اور اس کے اصولوں سے نہیں ہے بلکہ مسلمانوں سے اور ان کے قومی مطالبات سے ہے۔ اسلام اور اس کے اصولوں سے تو ان کو کبھی سابقہ ہی پیش نہیں آیا، پھر کس طرح ممکن ہے کہ وہ اس کے موافق یا مخالف کوئی رائے قائم کر سکے ہوں۔ اسلام کے نام سے انہیں جو کچھ بھی تعصب ہے وہ صرف اس لیے ہے کہ وہ اسے ایک ایسی قوم کا مذہب سمجھتے ہیں جو سیاسی میدان میں ان کی حریف ہے لیکن اگر اسلام اور قرآن اپنی اصلی صورت میں ان کے سامنے آئیں تو ہمیں امید نہیں کہ عام غیر مسلم ان کے خلاف کوئی تعصب برتیں گے۔ بلکہ ان گئے گزرے حالات میں بھی جب کبھی ہمیں غیر مسلموں تک اللہ کا پیغام اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقے پر پہنچانے کا موقع ملا تو ہم نے دیکھا کہ ان کی آنکھیں حیرت و استعجاب سے پھٹی کی پھٹی اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے اور مسلمان قوم کے سخت سے سخت دشمن غیر مسلموں نے بے قرار ہو کر کہا کہ صاحب اگر ہمیں یقین ہو جائے کہ فی الواقع اسلام یہی ہے اور آپ لوگ واقعی اس کے پابند رہیں گے تو ہم دل و جان سے آپ کے ساتھ ہیں اور آپ کے پیچھے چلنے میں سعادت سمجھیں گے۔ لیکن برا ہو قوم پرستی کا اور غیر اسلامی تحریکوں کے مسلمان علمبرداروں کا کہ انہوں نے خدا کے بندوں کے لیے خدا کے دین کا دروازہ بند کر دیا۔

آپ یہ سن کر خوش ہوں گے کہ ان ملک گیر فسادات میں جہاں ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کو جانی اور مالی دونوں قسم کا کثیر نقصان پہنچا ہمارے ارکان میں سے اب تک خدا کے فضل سے کسی کا

کوئی خاص نقصان نہیں ہوا حالانکہ وہ اس دوران میں گھروں میں چھپے ہوئے نہیں بلکہ میدان میں اخلاقی اصلاح اور لوگوں کو حق و انصاف کی طرف بلانے کا کام برابر کرتے رہے۔ کئی مقامات پر فسادات کو روکنے میں کامیاب بھی ہوئے حتیٰ کہ ایک جگہ کے غیر مسلموں نے پبلک جلسہ کرکے جماعت کا شکریہ ادا کیا اور لوگوں کو بتایا کہ جہاں جماعت اسلامی موجود ہوگی اور لوگ اس کے زیر اثر ہوں گے وہاں فساد کا امکان بھی نہیں ہوسکتا۔ ایک دوسرے شہر میں جہاں مسلمانوں کو غیر مسلموں نے کثیر نقصان پہنچایا وہیں جماعت کے مقامی مکتبہ پر غیر مسلم بلوائیوں کے حملے کو روکنے والا ایک غیر مسلم تھا جسے جماعت کے لٹریچر اور اس کی دعوت سے واقفیت تھی۔ اس سے آپ کو یہ اندازہ ہوجائے گا کہ موجودہ سیاسی حالات کی وجہ سے غیر مسلموں میں ہمارا کام ایک بڑی حد تک مدھم تو پڑ گیا ہے لیکن رکا نہیں اور جتنا ہو رہا ہے بہت صحیح لائنوں پر ہو رہا ہے اور دوسری بات یہ کہ اگر مسلمان اسلام کی صحیح نمائندگی کرنے لگیں تو اب بھی حالات پلٹا کھا سکتے ہیں۔ خدا کرے کہ وہ اس راستہ پر آجائیں جو خدا اور رسول نے انھیں بتایا تھا۔

توقع ہے کہ اگلے سال انشاء اللہ اپنے غیر مسلم بھائیوں کو ہم نسبتاً زیادہ سہولت اور کامیابی کے ساتھ اپنے مسلک اور دعوت سے روشناس کراسکیں گے۔ ہم اپنے لٹریچر کو ہندی زبان میں منتقل کروا رہے ہیں۔ کئی ایک کتابوں کا ترجمہ ہوچکا ہے لیکن فسادات کی وجہ سے ان کی طباعت رکی ہوئی ہے۔ خدا کے فضل سے امید ہے کہ ہم جلد ہی اپنے ہندی لٹریچر کی باقاعدہ اشاعت شروع کردیں گے۔

حلقہ نسواں حلقہ نسواں میں ہمارا کام اس سال کافی پھیل گیا ہے۔ گذشتہ سال سے پہلے ایک دو بہنوں کے علاوہ ہمیں خواتین ارکان پر اتنا بھروسہ نہیں تھا کہ اگر ان کے گھر کے مرد خدانخواستہ جماعت سے الگ ہوجائیں یا ان کے راستے میں مزاحم ہوں تو وہ اپنے ایمان اور اسلام کے مقتضیات کو مقدم رکھیں گی لیکن اس وقت کم سے کم آٹھ دس بہنیں جماعت میں ایسی موجود ہوگئی ہیں جن کے بارے میں ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اگر خدانخواستہ ان کے خاندان کے سب لوگ

مل کر بھی ان کو اس راہ حق سے موڑنا چاہیں تو وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر دوسرے سب رشتوں کو کاٹ پھینکیں گی۔ ایک بہن جو ابھی پچھلے دنوں جماعت میں شریک ہوئی ہیں انھوں نے بتایا کہ وہ عرصے سے جماعت میں شریک ہونے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر رہی تھیں کہ اتنی پختگی پیدا ہو جائے کہ پھر زمانے کی کوئی مشکلات و حوادث رکاوٹ نہ بن سکیں چنانچہ انھوں نے اب اپنے آپ کو تول لیا ہے اور اس نتیجے پر پہنچی ہیں کہ اگر خدانخواستہ شوہر اور بچے بھی راستے میں حائل ہوں گے تو اللہ اور رسول کی خاطر ان کو بھی چھوڑ دیں گی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہماری اس بہن کو اور ہم سب کو بھی یہی عزم اور ایسی ہی قوت ایمان عطا فرمائے۔

اس مرتبہ پھر میں اپنی بہنوں اور رفقاء کی اطلاع اور ان کے جذبۂ ایمانی کو قوت پہنچانے کے لیے اپنی ایک بہن کی ماہوار رپورٹ کا خلاصہ پیش کرتا ہوں تاکہ انھیں معلوم ہو جائے کہ ایک کمزور اور بیمار عورت بھی اگر چاہے تو دین حق کی اقامت و اشاعت میں کیا اور کس طرح حصہ لے سکتی ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ:

"گذشتہ ڈیڑھ مہینہ سے بڑے ناموافق حالات سے دوچار رہی ہوں۔ ماحول کی یہ ناموافقت ہی شاید صحت جسمانی پر بھی اثر انداز ہوئی ہے اور سارا مہینہ معمول سے زیادہ بیمار رہی ہوں اور کوئی کام نہیں کر سکی تاہم اتفاقی طور پر جو کچھ ہو گیا وہ لکھتی ہوں:

۱۔ پڑوسن (لیڈی ایس۔ ٹی۔ ای) کی بیٹیں قرآن شریف اور میری اپنی بھاوج مجھ سے فارسی پڑھتی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ کچھ اردو میں اسلامی کتابیں بھی۔ ان کے علاوہ ہمارے ایک ہمسایے کا لڑکا مجھ سے انگریزی پڑھتا ہے۔ وہ اس مضمون میں کمزور تھا اور اس کی ماں نے خواہش کی تھی کہ کچھ امداد دوں۔ میں نے حق ہمسائیگی ادا کرنے کے لیے اس کو غنیمت جانا۔ اب اس سے متاثر ہو کر تقریباً سارا گھر دین حق کی طرف مائل ہو رہا ہے۔ حالانکہ ان کی حالت یہ تھی کہ پورے گھر میں نماز روزے یا کسی اور طریقے سے مسلمانی کا نام و نشان تک نہ تھا حتی کہ لڑکا گیارہ بارہ سال کا ہے اسے نماز تک نہیں سکھائی اور لڑکیاں اور بیوی جب ہمیں پہلی مرتبہ ملنے آئیں تو میں نے فی الواقع انھیں مسلمان

نہیں سمجھا تھا اور جھجکی سی رہی کہ خدا معلوم کس مذہب اور کن خیالات کے لوگ ہیں، اس لڑکے کے چچا (جن کے پاس وہ یہاں رہتا ہے) آٹھ سال عیسائی رہ کر پھر مسلمان ہوئے اور وہ بھی صرف نسلی اور رواجی مسلمان ہونے کی حد تک۔ اُن کی اہلیہ کی زبانی معلوم ہونے پر کہ مطالعہ کے بہت شوقین ہیں اور ہر وقت اسی میں مگن رہتے ہیں، میں نے پوچھا کہ کچھ اسلامی کتابیں بھی دیکھتے ہیں؟ تو کہنے لگیں کہ مجھے معلوم نہیں کیا کیا دیکھتے ہیں۔ پھر میں نے تنقیحات وغیرہ دکھا کر دریافت کیا کہ یہ آپ کے گھر ہیں یا نہیں اور یہ معلوم ہونے پر کہ نہیں ہیں میں نے ایک پمفلٹ اور تنقیحات دی کہ یہ لے جائیں اور اگر وہ مطالعہ کے بہت شوقین ہیں تو ان کو بھی پڑھ ڈالیں گے۔ وہ لے گئیں اور جب جا کر میاں کو دیں تو وہ کہنے لگے "واہ! یہ کتابیں کوئی ہم سے بھولی ہوئی ہیں۔ انھوں نے ہی تو...... کو برباد کر ہی دیا تھا کہ ہزار منت سماجت سے اسے باز رکھا۔" خدا کا شکر ہے کہ اب یہی صاحب اپنے بھتیجے کی معرفت کتابیں منگوا کر پڑھنے لگے ہیں اور متاثر ہو رہے ہیں۔ آج یہ معلوم کر کے انتہائی خوشی ہوئی کہ بچوں کے سوا گھر کے سب افراد نے روزہ رکھا اور کچھ دنوں سے نماز بھی پڑھ رہے ہیں۔ آج کتابوں کے ملنے کا پتہ بھی دریافت کیا ہے۔

لیڈی ایس۔ٹی۔ سی نے رسالہ دینیات اور خطبات ختم کرنے کے بعد اور کتاب مانگی تو انھیں پردہ کی کتاب دی گئی۔ انھوں نے کہا کہ مجھے شوق تو بہت ہے لیکن سمجھ نہیں آتی، الفاظ بہت مشکل ہیں۔ میں نے انھیں پہلے کچھ حصے کے مشکل الفاظ کے معنی لکھ دیے اور ان کو کہا کہ وہ پڑھتی چلی جائیں۔ اگر بالکل سمجھ میں نہ آئے گا تو ساری کتاب کے معنی لکھ دوں گی۔ اب انھوں نے پوری کتاب ختم کر لی ہے اور بہت متاثر ہوئی ہیں۔ ان کی وساطت سے ان کی ایک سہیلی نے (جو پہلے استانی رہ چکی ہیں) بھی اسے پڑھا ہے اور بے حد پسند کیا ہے۔ اللہ کی مہربانی سے ان دو تین کتابوں نے ہی ان کے گھر کی فضا کو کافی حد تک تبدیل کر دیا ہے۔ پہلے ان کی چھوٹی میٹرک پاس بہن بھی ریلوے ملازمت کا ارادہ رکھتی تھیں لیکن اب یہ ارادہ ترک کر کے قرآن شریف پڑھ رہی ہیں۔

دو ہندو پڑوسنیں بھی میرے خیالات سے متاثر ہوئیں لیکن یہ کام ایک مہینے میں نہیں ہوا

بلکہ چار پانچ ماہ کی مسلسل توجہ اور تالیف قلب کی کوششوں سے ان میں سے تعصب کسی حد تک دور ہوا ہے۔ ایک تو ذرا دور کی ہمسائی ہیں اور دوسری بالکل قریب کی بلکہ ہمارے ہی مکان کے دوسرے حصے میں رہتی ہیں۔ یہ دوسری زیادہ متاثر تھیں، میں ان کے بچوں کی پڑھائی کے سلسلے میں بھی کبھی کبھی مدد دیتی رہی، اب امید تھی کہ یہ اسلامی لٹریچر سنیں اور ان کے خاوند خود پڑھتے لیکن اب ان کی یہاں سے تبدیلی ہوگئی ہے اور وہ کل جا رہے ہیں۔ پہلی ہمسائی خود کافی لکھی پڑھی ہیں اور ریلوے ہسپتال کی لیڈی ڈاکٹر ہیں، انھوں نے کہا ہے اردو لٹریچر مجھے پڑھ کر سنایا کرو۔ کوشش کرکے مقامی جامع مسجد میں خطبات اور چند پمفلٹ بھجوائے ہیں۔ خطیب ان کتابوں سے ناواقف تھے۔ انھوں نے کہا ہے کہ رمضان میں لوگوں کو ایک ایک خطبہ سنایا کروں گا۔

ہماری پرانی پڑوسن میرے ساتھ بدستور ہر اخبار اور رسالہ اور کتاب پڑھ رہی ہیں، گھر میں بھائی اور بھاوج بھی پڑھتے رہے ہیں، والدہ صاحبہ کو تفہیم القرآن سناتی رہی ہوں لیکن میں خود سیاسی کشمکش حصہ سوئم اور سیرۃ النبی کی پانچویں اور چوتھی جلد کے سرسری نظر کے دیکھنے کے کچھ مطالعہ نہیں کرسکی۔ طبیعت خراب رہنے کی وجہ سے والدہ صاحبہ یا کسی دوسرے کی کوئی خدمت بھی نہیں کرسکی بلکہ خود ان سے ہی خدمت لیتی رہی ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری غلطیوں کو معاف فرمائے۔ اکثر افراط و تفریط میں پڑجاتی ہوں اور اپنے قویٰ ضائع کرتی ہوں وہ دستگیر حقیقی اعتدال کی راہ پر ڈال دے۔

دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس بہن کو کامل صحت و تندرستی عطا فرمائے اور اپنے دین کی خدمت و اشاعت کا زیادہ سے زیادہ موقع اور ہمت بخشے۔

اس کے ساتھ ہی میں ارکان اور ہمدردان جماعت حضرات کی بیویوں اور ان کے گھر کی دوسری خواتین کو خاص طور پر نصیحت کرنا چاہتا ہوں کہ ان پر اللہ اور رسول کی طرف سے عام عورتوں سے بہت زیادہ ذمہ داری ہے، ان کے پاس صحیح دین معلوم کرنے کے جو ذرائع موجود ہیں، اسی تناسب سے ان کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے، ان کا فرض ہے کہ اپنے شوہروں اور بھائیوں اور باپوں کا اللہ کے دین کی اقامت کے سلسلے میں پورا پورا ہاتھ بٹائیں اور اگر اور زیادہ کچھ نہیں کرسکتیں۔ تو

کم سے کم گھر کے معاملات سے تو انھیں زیادہ سے زیادہ فارغ اور مطمئن رکھیں کہ وہ پوری توجہ اور زیادہ سے زیادہ وقت اللہ کی راہ میں دے سکیں۔

عام مسلمان، ان کے لیڈر اور علماء جہاں تک عام مسلمانوں، ان کے لیڈروں اور علماء حضرات کے متاثر ہونے کا تعلق ہے اس کا کوئی زبان سے اقرار کرے یا نہ کرے لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ پر قائم ہے اور واقعات اس پر شاہد ہیں کہ جماعت اسلامی نے ان کے ذہنوں پر اس وقت تک بھی کافی اثر ڈالا ہے۔ ان کے اعمال اور کردار میں تو ابھی ان خیالات کا اظہار نہیں ہوا اور شائد کافی مدت تک ظاہر نہیں ہوگا تاآنکہ وہ اپنی سیاسی سرگرمیوں کے نتائج دیکھ لینے کے بعد سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور نہ ہو جائیں۔ لیکن یہ دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ جہاں ایک طرف وہ جماعت اسلامی کو برا بھلا کہتے ہیں کہ وہ ان کے قومی مقاصد کا ساتھ نہیں دیتی اور ان کو غلط اور غیر اسلامی کہتی ہے وہیں دوسری طرف ان کی قومی جدوجہد کے قائدوں تک کی زبان سے اب یہ کلمات بھی نکلنے لگے ہیں کہ "فی الواقع اسلام میں کسی شخص کو حاکمیت کا حق حاصل نہیں، حاکمیت کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے وہی فرمانروا اور وہی قانون ساز ہے، انسان صرف اس کا خلیفہ اور اس کے قانون کو نافذ کرنے والا ہو سکتا ہے۔" جہاں ایک طرف قومی اور وطنی تحریکوں کو سند جواز دینے والے علما موجود ہیں انھیں کے اندر اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے لوگ بھی کھڑے کرنے شروع کر دیے ہیں جو علمی انداز میں ہی سہی "ان الحکم الا للہ" اور للہ الخلق وللہ الامر کے نعرے بلند کرنے لگے ہیں حالانکہ یہ وہی بزرگ ہیں جو چند سال پہلے جب کوئی خدا کا بندہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اقامت دین کی جدوجہد میں جماعت اسلامی کا ساتھ دینے کے لیے نکل کھڑا ہوتا تو اسے ورغلانے کی انتہائی کوشش کرتے اور اگر وہ نہ رکتا تو خدا سے دعائیں کرتے کہ یا اللہ اپنے اس بندے کو اس تحریک سے پھیر دے اور واپس لے آ۔

جہاں تک ہم نے اندازہ کیا ہے اس وقت جماعت سے متاثر لوگوں کی تعداد تقریباً پچاس ہزار ہوگی۔

جماعت اسلامی نے ایک محسوس اثر جو عام مسلمانوں اور ان کی تحریکوں پر ڈالا ہے وہ یہ کہ خواہ وہ کسی راہ پر جا رہے ہوں اور کسی قسم کی قومی یا وطنی تحریک کو چلا رہے ہوں وہ کہتے یہی ہیں کہ وہ نظام اسلامی کے قیام کے لیے جد و جہد کر رہے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ ان میں اکثریت سادہ لوح لوگوں کی ہے جو اسلام اور اس کے تقاضوں سے ناواقفیت کی بنا پر ایسا کر رہے ہیں اور ہماری کوشش ہے کہ وہ اپنے قول اور عمل کا تضاد محسوس کر لیں۔

جماعت اسلامی میں داخلہ کے لیے درخواستیں

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں باوجود ان سارے ہنگاموں اور بلوؤں کے لوگوں کا رجحان جماعت اور اس کی دعوت کی طرف روز افزوں ترقی پر ہے۔ اس سال یعنی یکم اپریل ۴۶ء سے لے کر ۳۱ مارچ ۴۷ء تک رکنیت کی صرف ان درخواستوں کی تعداد جو مقامی امرا، جماعت اور حلقہ وار قیم صاحبان سے پاس ہو کر مرکز میں پہنچیں، دو سو ستہتر (۲۷۷) تھی۔ زیادہ نہیں تو کم سے کم اتنی ہی تعداد ان درخواستوں کی ہو گی جو مقامی جماعتوں اور حلقہ وار قیم صاحبان کے ہاں رک گئیں۔ گذشتہ سال رکنیت کی درخواستوں کی تعداد صرف دو سو چوبیس (۲۲۴) تھی۔ یعنی اس سال جماعت کی طرف رجوع ہونے والوں کی تعداد پچھلے سال کی نسبت ڈھائی گنا زیادہ ہو گئی ہے۔ جماعت کی رکنیت کے لیے درخواست کرنے سے جو چیز لوگوں کو زیادہ روک رہی ہے وہ جماعت میں داخلہ کی شرائط اور معیار سیرت و کردار ہیں جن کے متعلق بڑے بڑے بزرگ علما تک کی زبان سے یہ سننے میں آیا ہے کہ شرائط بے حد کڑی اور معیار سیرت بہت زیادہ بلند ہے۔ حالانکہ ہم نے جو شرائط اور جو معیار مقرر کیے ہیں وہ آپ یقین کیجیے وہ ہیں جو کتاب و سنت کی رو سے آسان سے آسان اور کم سے کم ہیں، ان سے بھی اگر کوئی شخص گر جائے تو اسے چاہیے کہ قرآن اور حدیث کی رو سے اپنا مقام خود تحقیق کرے۔ ہم اپنے ارکان اور رکنیت کے امیدواروں سے جس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کرتے ہیں وہ مطالبہ اور وہ کام وہی ہیں جو اسلام نے ہر مسلمان کے سامنے رکھے ہیں۔ ہم نہ تو اسلام کے اصل مطالبے پر ذرہ برابر کسی چیز کا اضافہ کرتے ہیں اور نہ اس میں کوئی چیز

کم کرتے ہیں۔ ہم ہر شخص کے سامنے پورے اسلام کو بلا کم و کاست پیش کر دیتے ہیں، اور اس سے کہتے ہیں کہ اس دین کو جان بوجھ کر پورے شعور کے ساتھ قبول کرو۔ اس کے تقاضوں کو سمجھ کر ٹھیک ٹھیک ادا کرو۔ اپنے خیالات اور اقوال و اعمال میں سے ہر اس چیز کو خارج کرو جو دین کے احکام اور اس کی روح کے خلاف ہو اور اپنی پوری زندگی سے اسلام کی شہادت دو۔ بس یہی ہمارے ہاں داخلہ کی شرائط ہیں، ان کے سوا نہ کوئی اور شرائط ہیں اور نہ داخلہ کی فیس نہ رکنیت کا چندہ۔

ان ۲۷۰ درخواست کنندگان میں سے ۱۳۰ حضرات کو جماعت میں لیا گیا اور بقیہ کو ہر ایک کے حسب حال مناسب ہدایات دے کر کام پر لگا دیا گیا جوں جوں ان کے بارے میں اطمینان ہوتا جائے گا ان کو جماعت میں لیا جاتا رہے گا۔ درخواست کنندگان اور ان کی منظوری کی صوبہ وار تعداد حسب ذیل تھی:-

صوبہ	درخواست ہائے رکنیت	منظور شدہ
پنجاب	۱۰۴	۴۷
یوپی	۶۵	۲۶
حیدرآباد۔ دکن	۲۰	۹
سرحد	۱۹	۱۴
وسط ہند	۱۳	۳
راجپوتانہ	۱۱	۶
بلوچستان	۱۰	-
مدراس	۸	۳
بہار	۷	۵
دہلی	۷	۶
سندھ	۵	۳

بمبئی	۴	۱
بنگال	۳	۲
آسام	۱	۰
میسور	۰	۰
	۲۷۷	۱۳۵

جماعت سے علیحدگی | اس سال ہم نے جماعت کو گزرہ اور ناقابل اطمینان ارکان سے تقریباً کلیتہً پاک کر دیا ہے۔ علیحدہ ہونے یا کیے جانے والے ارکان کی تعداد بچاسی تھی اور تین رفقا یعنی مولانا عبدالقادر صاحب صوبہ سرحد، سید ابو العرفان عبدالقدوس صاحب میسوری اور جناب فخر الدین صاحب کانپوری کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بھائیوں کی لغزشوں کو معاف کرے اور ان کی مغفرت فرمائے۔

علیحدگی کے وجوہ مختلف تھے۔ چالیس آدمی ریاست بہاولپور سے علیحدہ کیے گیے۔ وہاں اس سے پہلے یہ لوگ انجمن اشاعۃ القرآن والسنۃ کے رکن تھے اور یہ انجمن اگرچہ جماعت اسلامی سے غیر رسمی طور پر ہی تعلق تھی لیکن ہم اس کے ارکان کو اپنے ارکان ہی تصور کرتے تھے۔ اس سال امیر جماعت نے فیصلہ کیا کہ انجمن اشاعت القرآن والسنۃ والوں کو لکھا جائے کہ اگر وہ جماعت اسلامی سے مل کر کام کرنا چاہتے ہیں تو انھیں چاہیے کہ جماعت اسلامی میں براہ راست شامل ہو کر کام کریں چنانچہ انجمن اشاعت القرآن کے ارکان کا جماعت اسلامی کے معیار رکنیت کے مطابق جائزہ لیا گیا تو ان میں سے چالیس آدمیوں کو چھانٹ دینا پڑا۔ اب یہ سب جماعت کے ہمدردوں اور امیدواران رکنیت میں شامل ہیں۔

۳۱ ارکان کو اس لیے جماعت سے الگ کر دیا گیا کہ وہ جماعت کے کام میں خاطر خواہ دلچسپی نہیں لے رہے تھے۔ ۱۲ ارکان کو اس لیے علیحدہ کر دیا گیا کہ مسلمانوں کی قومی جد و جہد کے بارے میں انھوں نے جماعت کی پالیسی کی پابندی نہ کی اور انتخابات میں حصہ لیا۔ ایک صاحب کا

نام فہرست ارکان میں چلا آتا تھا لیکن وہ فی الواقع رکن نہیں تھے اس لیے ان کا نام خارج کر دیا گیا۔ دو ارکان سے کچھ اخلاقی کمزوریاں سرزد ہوئیں اس لیے انھیں مشورہ دیا گیا کہ وہ جماعت سے علیحدہ ہو کر ان کمزوریوں کو پوری طرح دور کرلیں اور جو دھبہ ان پر لگ گیا ہے اسے اپنے اخلاق اور معاملات سے دھولیں۔

ان ۵۰ میں سے صرف ۵ ارکان ایسے تھے جو از خود جماعت سے الگ ہوئے اور ان کی علیحدگی کے وجوہ یہ تھے:

ایک صاحب کے والد جو ماشاء اللہ عالم دین ہیں اور ایک عربی مدرسہ کے ناظم بھی۔ وہ جماعت کے شدید مخالف تھے اس قدر مخالف کہ انھوں نے اپنے صاحبزادے سے جماعت کا لٹریچر چھین کر ایک مرتبہ شاید جلا بھی دیا۔ برسوں تک ہمارے یہ رفیق ان کی سختی اور مخالفت کا مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر کار وہ ان سے دب گئے اور ہمیں لکھ دیا کہ ان کا نام ارکان کی فہرست سے خارج کردیا جائے۔

دوسرے صاحب کچھ ایسی کاروباری مشکلات میں مبتلا ہوگئے کہ انھوں نے درخواست کی کہ ان کا نام ارکان سے خارج کردیا جائے کیونکہ وہ اپنے معاملات کی وجہ سے جماعت کی بدنامی کا موجب ہو رہے ہیں۔

دو حضرات نے اس لیے علیحدگی اختیار کی کہ ان کی خانگی مجبوریاں ان کے جماعت کے ساتھ چلنے میں مانع ہو رہی تھیں

اور اس پورے گروہ میں صرف ایک صاحب ایسے تھے جو اس لیے جماعت سے الگ ہوئے کہ انھیں جماعت کے نظریے ہی سے اختلاف پیدا ہوگیا تھا لیکن نہ انھوں نے یہ اختلاف واضح فرمایا اور نہ کوئی دوسری وجہ علیحدگی بتائی۔

ارکان اور مقامی جماعتوں کی تعداد گذشتہ سال کے آخر میں ارکان جماعت کی کل تعداد ۸۰۶ تھی اس سال ۱۳۵ ارکان کا اضافہ ہوا ۵۰ کو جماعت سے علیحدہ کردیا گیا اور تین کا انتقال ہوگیا۔

اس طرح ارکان کی موجودہ تعداد ۵۳۳ ہے۔ اپنے ارکان سے اس وقت ہم جو اور جس قسم کی توقعات رکھتے ہیں ان کے مطابق یہ سب کم و بیش کام کر رہے ہیں۔ جماعتی کام میں دلچسپی اور اس بارے میں مستعدی میں ضرور فرق پایا جاتا ہے لیکن دستور میں کیفیت کا جو کم سے کم معیار رکنیت مقرر کیا گیا ہے اس پر جہاں تک ہمارا اندازہ ہے اس وقت خدا کے فضل سے سبھی پورے ہیں۔ لیکن ارکان کو یہ معلوم ہوجانا چاہیے کہ ملک اور دنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ ان کی ذمہ داریوں میں بہت تیزی سے اضافہ ہوتا جارہا ہے اور دنیا جس سرعت کے ساتھ گمراہی اور تباہی کے گڑھے کے قریب ہوتی جارہی ہے اسی تناسب سے انھیں اپنے پروگراموں پر تیزی سے عمل پیرا ہونا چاہیے۔

ارکان اور جماعتوں کی موجودہ صوبہ وار تفصیل حسب ذیل ہے:-

صوبہ	کل ارکان	جماعتیں	منفرد ارکان
پنجاب	۲۶۴	۳۶	۶۸
یوپی	۹۵	۱۷	۱۳
حیدرآباد۔ دکن۔ برار	۳۹	۴	۵
مدراس	۳۵	۵	۵
سرحد	۲۳	۹	۵
دہلی	۱۷	۱	۰
سندھ	۱۱	۲	۲
بمبئی	۱۱	۲	۳
بہار	۱۰	۲	۲
بنگال	۸	۱	۱
راجپوتانہ	۸	۱	۴

وسط ہند	۷	۲	۱
ریاست میسور	۴	۲	۰
انگلستان	۱	-	۱
	۵۴۳	۹۱	۱۱۰

گزشتہ سال جماعتوں کی تعداد ۵۷ تھی۔ اس سال کے دوران میں سترہ نئی جماعتیں حسب ذیل مقامات پر بنیں:۔

پٹنہ - جھانسی - فیض آباد - پرتاپ گڑھ - گونڈہ - ملیح آباد - رامپور - سردائیر - غازیپور - کلیان - ٹونک راج - پشاور چھاؤنی - نوشہرہ ضلع پشاور - پڑانگ ضلع پشاور - رجڑ ضلع پشاور - غازو ڈھیری ضلع پشاور - دریا خان مری ضلع نوابشاہ

اور حسب ذیل ۶ جماعتیں توڑ دی گئیں:۔

(۱) بھگواڑہ ریاست کپورتھلہ - (۲) جاجہ ضلع ہوشیار پور - (۳) عنایت پور ضلع ملتان - اور تین جماعتیں ریاست بہاولپور کی۔

اور پانچ جماعتیں ارکان کے مختلف مقامات پر چلے جانے کی وجہ سے منتشر ہوگئیں:۔

(۱) کر ور ضلع راولپنڈی (۲) کیتھل ضلع کرنال (۳) حصار شہر - (۴) بھوانی پور ریاست کپورتھلہ - (۵) جوناگڑھ

اس طرح مجموعی حیثیت سے جماعتوں کی تعداد میں کل چھ جماعتوں کا اضافہ ہوا۔

نظام جماعت گزشتہ سال سے پہلے تنظیم جماعت کے سلسلے میں تقریباً سب ارکان و جماعتوں کا براہ راست مرکز ہی سے تعلق تھا صرف صوبہ سرحد اور صوبہ بہار میں باقاعدہ حلقہ وار قیم موجود تھے گزشتہ اجتماع عام کے بعد پورے ملک کو بیس حلقوں میں تقسیم کر کے ہر حلقے کے لیے الگ الگ حلقہ وار قیم مقرر کر دیے گئے تاکہ وہ اپنے اپنے حلقے میں کام کی موقعہ پر نگرانی اور رہنمائی کر سکیں اور ارکان اور جماعتوں میں پوری طرح نظم و ضبط قائم رکھیں اور اپنے حلقے کے ٹھیک حالات اور وہاں کام کی رفتار سے مرکز کو اپنی رائے کے ساتھ مطلع کرتے رہیں۔

حلقوں کی موجودہ تقسیم حسب ذیل ہے :-

(۱) صوبہ سرحد - ایک حلقہ

(۲) پنجاب کے الگ الگ سات حلقے ہیں:

(۱) راولپنڈی کمشنری - (۲) لاہور کمشنری - (۳) جالندھر کمشنری - (۴) ملتان کمشنری - (۵) انبالہ کمشنری - (۶) ریاست بہاولپور - (۷) ریاست جموں و کشمیر۔

(۳) دہلی کا پورا صوبہ ایک حلقہ

(۴) یو پی کو تین حلقوں میں تقسیم کیا گیا ہے :-

(۱) شمالی مغربی یو پی - (۲) جنوب مشرقی یو پی - (۳) اودھ -

(۵) صوبہ بہار پورا ایک حلقہ۔

(۶) صوبہ بنگال پورا ایک حلقہ -

(۷) راجپوتانہ اور وسط ہند معہ برار کے ایک حلقہ -

(۸) صوبہ سندھ پورا ایک حلقہ -

(۹) صوبہ بمبئی ایک حلقہ -

(۱۰) صوبہ مدراس پورا ایک حلقہ -

(۱۱) ریاست حیدرآباد ایک حلقہ اور

(۱۲) ریاست میسور ایک حلقہ۔

باقی حلقے تو سبھی ٹھیک چل رہے ہیں لیکن یو پی میں کام اب اتنا پھیل گیا ہے کہ تین حلقوں سے کام نہیں چل سکتا اس لیے وہاں اب اس اجتماع کے بعد سے انشاء اللہ پانچ حلقے کر دیے جائیں گے۔ راجپوتانہ، وسط ہند اور برار کا حلقہ بھی بہت زیادہ وسیع ہے اس میں بھی مناسب تبدیلی زیر غور ہے۔

حلقہ ہائے کار | گذشتہ سال ارکان جماعت اور قریبی ہمدردوں کو ملا کر ان کی مخصوص قابلیتوں اور

صلاحیتوں کے لحاظ سے ۱۴ حلقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا تاکہ ہر شخص کو اس کی مخصوص قابلیت و صلاحیت اور رجحان طبیعت کے لحاظ سے اسلامی نصب العین کی خدمت کا زیادہ سے زیادہ موقعہ بھی مل سکے اور اس طرح سے جماعت کے بڑھتے ہوئے کام کے پیش نظر ہر شعبہ زندگی کے لیے کارکن بھی پیدا ہوتے چلے جائیں۔ ان میں سے چار حلقوں یعنی (۱) عوامی لٹریچر لکھنے والے (۲) حلقہ سیاست (۳) حلقہ انگریزی ادب اور (۴) درسی کتب سکول سٹینڈرڈ کے علاوہ تقریباً سبھی میں ابتدائی کام شروع ہوگیا ہے۔ اور ان کے ناظم صاحبان نے بذریعہ مراسلت اور ملاقات اپنے حلقوں کی بنا ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ اکثر و بیشتر کی بنا پڑ چکی ہے اور دوسروں کے متعلق امید ہے کہ آئندہ سال وہ بھی کام شروع کرنے کے قابل ہوجائیں گے۔ حلقوں کا کام خاطر خواہ اور متوقع رفتار سے آگے نہ بڑھنے کی وجہ ملکی حالات کی خرابی اور عام بدامنی اور پریشانی کے علاوہ یہ بھی رہی کہ امیر جماعت سارا سال غیر معمولی طور پر بیمار رہے، اپریشن بھی ہوا اور وہ اس بارے میں کوئی توجہ نہ کرسکے بعض حلقوں کے کام کے نقشے ہمارے پاس مہینوں سے رکھے ہیں لیکن اب تک ان کے متعلق رائے نہیں دی جا سکی۔

مرکز میں تربیت گاہ کا قیام اجتماع الہ آباد کے موقع پر پچھلے سال یہ طے کیا گیا تھا کہ ارکان جماعت کی تربیت کے لیے مرکز میں ایک تربیت گاہ قائم کی جائے جس میں ارکان جماعت کو پندرہ سے ۲۰ دن تک رکھ کر ان کو تربیت دی جائے تاکہ انھیں معلوم ہو سکے کہ مختلف قسم کے حالات میں جماعت کا کیا اور کیسے کام کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ذہنوں کو بالکل صاف اور یکسو کرنے کی کوشش کی جائے اور جماعت کا لٹریچر اس ترتیب سے انھیں مطالعہ کرا دیا جائے کہ ہر شعبہ زندگی کا امکانی حد تک واضح نقشہ ان کے ذہنوں میں آجائے اور نہ صرف وہ خود اپنی دعوت کی صداقت و حقانیت کے بارے میں پوری طرح مطمئن ہوں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اپنی اپنی قابلیت و صلاحیت کے مطابق مطمئن کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اس فیصلے کے مطابق جولائی ۴۶ء سے دارالاسلام میں تربیت گاہ شروع کر دی گئی

اور پندرہ سے لے کر بیس آدمیوں تک تقریباً ہر ماہ پندرہ پندرہ یوم کے لیے بلائے جاتے رہے۔ جنوری ۱۹۴۸ء میں مظلومین بہار کی امداد و اعانت کے لیے ہم نے پٹنہ میں جو کیمپ کھولا ہے اس سلسلے میں تربیت گاہ کو دارالاسلام سے پٹنہ منتقل کر دیا گیا تاکہ جو لوگ تربیت کے لیے بلائے جائیں انھیں سے ریلیف پہنچانے کا کام بھی لیا جائے اور اس طرح انھیں ذہنی، اخلاقی اور عملی تینوں قسم کی تربیت کا موقع ملے۔ اب ہم کوشش کر رہے ہیں کہ بہار کا کام وہیں کے ارکان اور ہمدردوں کے سپرد کرکے تربیت گاہ کو پھر مرکز میں لے آئیں کیونکہ جن مخصوص حالات کی بنا پر اسے وہاں بھیجا گیا تھا ویسے حالات اب ہر صوبے میں پیش آ رہے ہیں اس لیے اب مرکز کی ذمہ داریاں تقریباً ہر جگہ کے لیے یکساں ہیں اس لیے اب ریلیف کے بارے میں ہم یہی طریقہ قابل عمل سمجھتے ہیں کہ ہر علاقے کے لوگ خود ہی مل کر اس کام کو سنبھالیں۔ ہمارے پاس ابھی کارکنوں کی تعداد اتنی زیادہ نہیں ہے کہ انھیں ہر جگہ بھیجا جا سکے۔

مرکزی مکتبہ سے جماعت کے لٹریچر کی اشاعت

اب تک ہمارے کام کے پھیلاؤ اور شعبۂ مالیات کے استحکام کا بڑا ذریعہ جماعت کا مرکزی مکتبہ ہی ہے۔ یہ جن مشکلات سے زمانہ جنگ میں دوچار ہوا ان سے اب تک نکلنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ کاغذ کی کمی کا ابتک وہی حال ہے جو زمانہ جنگ میں تھا۔ پورے سال میں گذشتہ سالوں کی طرح اب کے بھی کوئی ایک دن بھی ایسا نہیں آیا کہ جماعت کی سبھی کتابیں تو کیا بیشتر بھی سٹاک میں موجود ہوئی ہوں۔ حیدرآباد دکن سے ہمیں کچھ کاغذ ملنے کی توقع ہوئی تھی اور خیال تھا کہ کم سے کم ایک مرتبہ تو ساری کتابیں چھپوا ڈالیں گے لیکن ہماری وہ توقع بھی پوری نہ ہوئی اور وہ کاغذ نہ مل سکا۔ پرمٹ پر جو کاغذ ملتا ہے وہ ہماری ضروریات کے لیے بہت کم ہونے کے علاوہ بعض مرتبہ مہینوں کے انتظار کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ اس سال ہمیں ایک پرمٹ پر تو پورے آٹھ ماہ کے بعد کاغذ ملا۔

مکتبے کی سالانہ رپورٹ اور گوشوارے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سال ۳۸۳۸۲ روپے ۱۵ آنے ۶ پائی کا لٹریچر دنیا کے مختلف حصوں میں گیا جس کی تفصیل درج ذیل ہے:-

ہندوستان میں سالانہ فروخت کتب صوبہ وار:

پنجاب:	۱۳۶۸۳ روپے ۹ آنہ ۶ پائی۔	بنگال =	۱۰۱۳ روپے ۵ آنہ ۰ پائی
یوپی:	۷۴۱۶ " ۱ " ۶ "	صوبہ مدراس =	۸۹۴ " ۱۵ " ۶ پائی۔
ریاست حیدرآباد:	۲۸۸۹ " ۸ " ۰ "	سی پی =	۷۷۶ " ۴ " ۰ "
بہار:	۲۵۸۶ " ۱۴ " ۰ "	بلوچستان =	۴۸۴ " ۲ " ۰ "
صوبہ بمبئی:	۲۲۸۷ " ۳ " ۰ "	ریاست میو =	۱۶۷ " ۱۱ " ۰ "
صوبہ دہلی:	۱۷۴۳ " ۱۱ " ۰ "	آسام =	۳۶ " ۷ " ۰ "
صوبہ سندھ:	۱۲۸۴ " ۵ " ۰ "	اڑیسہ =	۳۱ " ۱۲ " ۰ "
سرحد:	۱۲۷۱ " ۰ " ۰ "		
ریاستہائے وطن:	۱۰۹۰ " ۰ " ۰ "	میزان =	۳۷۶۴۸ روپے ۶ آنہ ۶ پائی

ہندوستان سے باہر سالانہ فروخت کتب ملک وار:۔

عراق =	۱۶۸ روپے ۸ آنہ۔	فلسطین =	۲۶ روپے ۲ آنہ
افریقہ =	۱۵۷ " ۴ "	امریکہ =	۲۴ " ۱۴ "
انگلستان =	۱۱۲ " ۶ "	ملایا =	۲۰ " ۷ "
ماریشس =	۶۹ " ۱۱ "	نیپال =	۴ " ۰ "
برما =	۵۷ " ۷ "	لنکا =	۳ " ۰ "
چترال =	۳۹ " ۹ "	متفرق =	۲۴ " ۷ "
افغانستان =	۲۷ " ۱ "	میزان =	۷۳۴ روپے ۹ آنہ۔

میزان کل: { اندرون ہند ۳۷۶۴۸ - ۶ - ۶ ; بیرون ہند ۷۳۴ - ۹ - ۰ } ۳۸۳۸۲ - ۱۵ - ۶

مکتبہ کی چالیس مطبوعات میں سے اس وقت ۲۳ کتابیں مکتبہ میں موجود ہیں۔ بقیہ سترہ میں سے

سات پریس میں ہیں، چھ کی کتابت ہو رہی ہے اور چار کا ابھی کوئی انتظام موجود نہیں۔

اردو کے علاوہ دوسری زبانوں میں جماعت کے لٹریچر کی اشاعت

مرکزی مکتبے سے صرف اردو اور انگریزی زبان میں کتابیں شائع ہوتی ہیں۔ دوسری زبانوں میں تراجم اور ان کی اشاعت کا کام ملک کے مختلف حصوں میں ہوا ہے اور اس کام کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ عربی۔ جیسا کہ گذشتہ سال عرض کیا گیا تھا، عربی زبان میں لٹریچر کے ترجمہ و تالیف کے لیے جالندھر شہر میں دارالعروبہ کے نام سے ادارہ قائم کر دیا گیا ہے۔ اس ادارے کے انچارج مولانا مسعود عالم صاحب ندوی ہیں۔ اس ادارہ میں اب تک جو کام ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) تجدید و احیائے دین، اسلام اور جاہلیت اور سیاسی کشمکش تینوں حصوں کا انڈکس یعنی اشاریہ تیار کر لیا گیا ہے۔

(۲) جدید عربی مصطلحات کی چھان بین کا کام بھی ایک حد تک ہو چکا ہے۔

(۳) مصر، شام، دمشق اور عراق کے کئی علمی اور دینی اداروں اور رسائل و اخبارات کے ساتھ مراسم قائم ہو گئے ہیں۔

(۴) تراجم میں اب تک "دین حق"، "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے"، "نظریہ سیاسی"، اور "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" کا ترجمہ ہو چکا ہے اور "تجدید و احیائے دین" کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ "نظریہ سیاسی" تو اس وقت پریس میں ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد چھپ کر تیار ہو جائے گا۔ "اسلامی حکومت" کی نظرثانی ہو رہی ہے اور بقیہ دونوں ترجموں کی نظرثانی باقی ہے۔

(۵) رسالہ الہدیٰ جو دارالعروبہ سے عربی زبان میں شائع کرنے کی تجویز ہے اس کی جہاں تک ہماری طرف سے تیاری کا تعلق ہے وہ بالکل مکمل ہے۔ رکاوٹ صرف ڈیکلریشن کی ہے۔ یہ غیر معمولی پابندیاں ہٹ جائیں تو یہ رسالہ فوراً جاری کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ ترکی۔ ترکی ترجمہ کے لیے اب جناب اعظم ہاشمی صاحب مہاجر ترکستانی جو کئی سال سے دارالاسلام میں مقیم ہیں، اپنا پورا وقت دے رہے ہیں۔ اس وقت تک رسالہ دینیات، خطبات

تنقیحات، تفہیمات اور پردہ کا ترجمہ ہو چکا ہے اور رسالہ دینیات اور خطبات کی نظر ثانی بھی ہو چکی ہے لیکن جہاں تک طباعت کا تعلق ہے چونکہ ہندوستان میں اس کا انتظام موجود نہیں ہے اس لیے طباعت کا ابھی کوئی بندوبست نہیں ہو سکا۔ اب ہم اس کوشش میں ہیں کہ جلدی سے جلدی طباعت کا سلسلہ شروع ہو جائے۔

ترکی ادارے کے باقاعدہ اور مستحکم قیام کے لیے ترک مہاجرین میں سے ان لوگوں کی جو جماعت سے متعارف اور متاثر ہیں، مارچ ۴۷ء میں ایک کانفرنس مرکز میں بلائی گئی تھی لیکن پنجاب میں فسادات شروع ہو جانے کی وجہ سے بمشکل تین حضرات یہاں پہنچ سکے اور ان کے مشورے سے کام کا ایک ابتدائی نقشہ بنا لیا گیا جس کے مطابق کوشش کی جائے گی کہ ترکی زبان بولنے والے ممالک تک اس دعوت کو پہنچانے کے کام میں ان ترکی مہاجرین کا تعاون حاصل کیا جائے جو اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں۔

۳۔ انگریزی۔ انگریزی لٹریچر میں اس سال رسالہ دینیات (انگریزی) نظر ثانی کے بعد شائع ہوا۔ اس کے علاوہ مولوی مظہر الدین صدیقی صاحب کی دو انگریزی کتابیں "اسلام کیا ہے" اور "الحاد کے بعد کیا؟" شائع کی گئیں۔ "انسان کا معاشی مسئلہ اور اس کا اسلامی حل"، "کیا ہندوستان کی نجات نیشنلزم میں ہے؟"، "نظریۂ سیاسی" اور "اسلامی حکومت کس طرح قائم ہوتی ہے؟" اس وقت پریس میں ہیں۔ "اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر" اور "زندگی بعد موت" کا ترجمہ ہو چکا ہے اور نظر ثانی ہو رہی ہے۔ "حقیقت جہاد"، "رسالت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے؟" اور "نبوت محمدی کا عقلی ثبوت" کا اس وقت ترجمہ ہو رہا ہے۔

انگریزی کا اس وقت تک سارا کام ارکان اور ہمدرد حضرات بلا معاوضہ کرتے رہے ہیں اور اس کام کے لیے پورا وقت دینے والا ابھی تک کوئی آدمی نہیں ملا۔ اب ہم کوشش کر رہے ہیں کہ کم از کم ایک کارکن کی مستقل خدمات اس شعبہ کے لیے حاصل کریں تاکہ باقاعدگی کے ساتھ مسلسل کام ہو سکے۔

۴۔ سندھی۔ "خطبات" الگ الگ آٹھ حصوں میں اور یکجا کتابی شکل میں شائع ہوچکے ہیں "رسالہ دینیات" اس وقت زیر طبع ہے۔ "اسلامی عبادات پر ایک تحقیقی نظر" اور "قرآن فہمی کے بنیادی اصول" کا ترجمہ ہوچکا ہے۔ "اسلام اور جاہلیت" اور "سلامتی کا راستہ" کا ترجمہ ہورہا ہے۔ اب تک کام کی رفتار سست رہی ہے لیکن اب سندھی دارالاشاعت کا قیام باقاعدہ عمل میں آگیا ہے اور ایک پریس بھی ٹھیکہ پر مل گیا ہے اس لیے توقع ہے کہ آئندہ سال یہ رفتار کافی تیز ہوجائیگی۔

سندھی رسالے کے اجراء کی کوشش بدستور جاری ہے۔

۵۔ گجراتی۔ "خطبات" میں سے پہلے نو خطبے گذشتہ سال ایک مجموعے کی شکل میں شائع کیے گئے تھے۔ اس سال صرف "سلامتی کا راستہ" شائع ہوا ہے۔ اس سست رفتاری کی وجہ کارکنوں کی کمی اور بمبئی کے مسلسل فسادات ہیں۔ اب امیر جماعت نے بمبئی کے سفر میں ہدایت کردی ہے کہ گجراتی دارالاشاعت باقاعدہ قائم کیا جائے اور اس کے لیے ایک مستقل کارکن کی خدمات بمعاوضہ حاصل کرلی جائیں۔

۶۔ ہندی۔ ہندی ترجمہ کا ادارہ اس سال خدا کے فضل سے حافظ ابو محمد امام الدین صاحب رام نگری کی نگرانی میں تقریباً باقاعدہ قائم ہوگیا ہے۔ چند آدمی اور بھی ان کے ساتھ تعاون کے لیے آمادہ ہوئے ہیں۔

اب تک "دین حق"، "سلامتی کا راستہ"، "زندگی بعد موت"، "شرور عالم"، "قرآن اور پیغمبر" اور "نبوت محمدی کا عقلی ثبوت" کا ترجمہ مکمل ہوچکا ہے۔ "رسالہ دینیات"، "اسلام اور جاہلیت"، "اسلام میں عبادت کا تصور" اور "عقل کا فیصلہ" کا ترجمہ ہوچکا ہے اور نظر ثانی ہورہی ہے۔

حافظ صاحب ایک ہندی پریس سے ان کی طباعت کے لیے بات چیت کررہے تھے کہ بنارس میں فساد شروع ہوگیا اس سے کام میں رکاوٹ پیدا ہوگئی ورنہ توقع تھی کہ اس اجتماع سے پہلے پہلے "دین حق"، "سلامتی کا راستہ" اور "نبوت محمدی کا عقلی ثبوت" چھپ کر تیار ہوجاتے۔

ہندی رسالے کے اجرا کے لیے بھی کوشش کی جارہی ہے لیکن ابھی تک بظاہر کامیابی کی کوئی توقع نظر نہیں آتی۔

۷۔ بنگلہ۔ بنگلہ زبان میں "خطبات" اور "رسالہ دینیات" اور "سلامتی کا راستہ" کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ان میں سے رسالہ دینیات کے پہلے دو باب اور "سلامتی کا راستہ" کی طباعت بھی ہو چکی ہے۔ رسالہ دینیات پریس میں جانے کے لیے تیار ہے البتہ خطبات کا ترجمہ بنگلہ مترجمین کی کمیٹی نے پسند نہیں کیا اس لیے اس پر دوبارہ نظرثانی کی جائے گی۔ اب آٹھ نو ماہ سے بنگال اور بہار کے فسادات کی وجہ سے یہ سارا کام بند پڑا ہے اور مقامی سارے کارکن وہاں ریلیف اور فسادات کے متعلق دوسرے اصلاحی اور تبلیغی کاموں میں مصروف ہیں۔

حالات درست ہو جائیں تو بنگلہ میں ماہوار رسالہ جاری کرنے کے لیے بھی موزوں آدمی نظر میں ہے اور وہ خود بھی اس کے اجرا کے لیے مضطرب ہیں۔

۸۔ پشتو۔ پشتو زبان میں اس وقت تک "دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات"، "سلامتی کا راستہ"، "مسلمانوں کی طاقت کا اصلی منبع"، "حقیقت اسلام"، "خطبہ جمعہ اجتماع دارالاسلام ۱۹۴۵ء"، "مسلمانوں کا بنیادی عقیدہ" اور جماعت کے لٹریچر سے مختلف اقتباسات شائع ہو چکے ہیں۔ "رسالہ دینیات" کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ بڑی دشواری صرف موزوں مترجمین کی کمی ہے۔ اب تک ترجمے کا سارا کام ہمدردوں سے لیا جا رہا ہے۔

۹۔ ملیالم۔ ملیالم میں (جو مالابار کی مقامی زبان ہے) "رسالہ دینیات" اور "سلامتی کا راستہ" گذشتہ سال طبع کرائے گئے تھے۔ اب خطبات پریس میں جا چکے ہیں۔ چونکہ اس علاقے میں اردو بہت ہی کم بولی اور سمجھی جاتی ہے اور ہمارے لٹریچر سے لوگوں کے لیے بجز گفتگو کے اور کوئی ذریعہ واقفیت کا اب تک نہیں تھا اس لیے "رسالہ دینیات" اور "سلامتی کا راستہ" جو طبع کرائے گئے ہیں ان کی نکاسی کی رفتار بہت سست ہے۔ "خطبات" چھپ کر تیار ہو گئی تو توقع ہے کہ دینی طبقوں میں زیادہ تیزی سے پھیل سکے گی۔ ملیالم زبان کا دارالاشاعت اسلامک پبلشنگ ہاؤس

کے نام سے اربسلیم میں باقاعدہ قائم ہو چکا ہے۔

۱۰۔ ٹامل۔ اس زبان میں "خطبات" کا ترجمہ ہو چکا ہے۔ "تنقیحات" اور "رسالہ دینیات" کا ترجمہ ہو رہا ہے۔ اب توقع ہے کہ دو مہینے کے اندر ٹامل دارالاشاعت مستقل طور پر قائم ہو جائیگا۔ اس کے لیے پورا وقت دینے والے دو کارکنوں کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں۔

۱۱۔ کنڑی۔ منگلور میں ہمارے حلقہ ہمدرداں نے کنڑی ترجمے اور اشاعت کا کام شروع کر رکھا ہے۔ ترجمہ تو وہ چھوٹے چھوٹے کئی پمفلٹوں کا کر چکے ہیں لیکن طباعت ابھی تک انہوں نے "سرور عالم" ہی کی ہے۔ طباعت اور اشاعت کا معیار بہت اچھا رکھا ہے۔ ترجمے کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن جس اہتمام اور ذمہ داری کے ساتھ انھوں نے یہ کام کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے توقع یہی کی جاتی ہے کہ ترجمہ بھی اچھا ہوگا۔

ان زبانوں کے علاوہ اس سال مدراس کے سفر میں امیر جماعت نے تلنگی اور مرہٹی دارالاشاعت قائم کرنے کی بھی ہدایت کی ہے اور اس کے لیے موزوں کارکن تلاش کیے جا رہے ہیں۔

فسادات اور جماعت اسلامی فسادات کا سلسلہ ویسے تو ۱۳ را پریل ۴۶ء کو یوپی کے قادر سے ہی شروع ہو گیا تھا لیکن اگست ۴۶ء سے تو یہ ملک میں اس طرح پھیلنا شروع ہو گیا جیسے خشک جنگل کو کسی نے آگ لگا دی ہو۔ صد ہا میل کے علاقوں میں باقاعدہ جنگیں لڑی گئیں اور وہاں کی اقلیتوں کو سرے سے مٹا دینے کی منظم مہمیں عمل میں لائی گئیں۔ یہ دیکھ کر ہمیں بے حد دکھ ہوا ہے کہ ملک کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک دونوں قوموں کے لیڈروں اور اخبارات نے آگ لگانے میں تو پورا پورا حصہ لیا لیکن کوئی ایک بھی اللہ کا بندہ ایسا سامنے نہ آیا جس نے فی الواقع خلوص دل کے ساتھ یہ کوشش کی ہو کہ یہ فسادات نہ ہوں اور دونوں قوموں کے تعلقات عداوت و دشمنی کے بجائے صلح و محبت پر قائم ہوں۔ بہر حال شریف انسانوں کا فرض یہی ہے کہ وہ جہاں جتنی بھی قوت رکھتے ہوں خدا کی زمین پر امن اور انصاف قائم کرنے کی کوشش کریں اور اگر قوت ہو تو بزور بازو مفسد قوتوں کو روک دیں۔

جماعت اسلامی نے فسادات کی آگ بھڑکنے سے پہلے ہی اس کے آثار بھانپ لیے تھے بلکہ وہ کئی سال سے ہندوستان کے لوگوں کو یہ بتانے کی کوشش کر رہی تھی کہ جس راستے پر تم جا رہے ہو اس کا نتیجہ بجز باہمی جنگ اور سب کی تباہی کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ ستمبر ۴۶ء میں جب اس تباہی کے آثار صاف نظر آنے لگے تو مرکز میں مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کیا گیا اور آنے والے فسادات کے بارے میں جماعت کا مسلک اور طرزِ عمل واضح طور پر متعین کر کے تمام ارکان جماعت کے نام حسب ذیل ہدایات بھیج دی گئیں:-

"سوال کیا جا رہا ہے کہ اگر کہیں فسادات رونما ہوں تو ہم کیا رویہ اختیار کریں۔ اس سلسلے میں عام ہدایات اس سے پہلے ترجمان القرآن میں دی جا چکی ہیں۔ اب مجلس شوریٰ کافی غور و خوض کے بعد حسب ذیل ہدایات دیتی ہے:

(۱) عام فسادات کی حالت میں ارکان جماعت کے لیے اپنے تحفظ کا سب سے بڑا ذریعہ ان کا اپنا اخلاقی رویہ اور ان کا قومی و نسلی تعصبات سے بالاتر رہ کر خیر و صلاح کی عملاً دعوت دینا ہے۔ اس معاملے میں ارکان جماعت جتنے زیادہ راست رو اور بے شر ہوں گے، اور جس قدر زیادہ بھلائی کرنے اور بھلائی کی طرف دعوت دینے میں سرگرم ہوں گے اسی قدر زیادہ فتنۂ عام کی آگ سے ان کا محفوظ رہنا متوقع ہے اور جس قدر زیادہ وہ بے عمل رہیں گے اسی قدر زیادہ خطرے میں رہیں گے۔

(۲) اگر فساد کی حالت میں کوئی رکن جماعت گھر جائے اور اس پر حملہ کیا جائے تو حتی الامکان اسے حملہ آوروں کو نصیحت کرنی چاہیے، اور اگر اس کا موقع نہ ہو تو وہ اپنی مدافعت کے لیے ہاتھ اٹھا سکتا ہے۔ اس صورت میں اگر اس کے ہاتھ سے کوئی مارا جائے تو مقتول کے خون کی ذمہ داری شرعاً خود مقتول ہی پر ہو گی، مدافعت میں ہاتھ اٹھانے والا عنداللہ بری ہو گا، اور اگر مدافعت کرنے والا خود مارا جائے تو وہ انشاء اللہ شہید ہو گا۔

(۳) اگر کسی رکن جماعت کے سامنے ہندوؤں یا مسلمانوں کا کوئی گروہ کسی مظلوم پر دست درازی کر رہا ہو تو اس کو روکنے کی اور مظلوم کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے حتیٰ کہ اس سلسلے میں

خود اپنی جان بھی خطرے میں پڑ جائے تو اس خطرے کو انگیز کر لیا جائے۔

(۴) فسادات کی حالت میں اگر کوئی شخص یا خاندان خطرے میں مبتلا ہو، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ وہ خود پناہ مانگے یا نہ مانگے، اپنی طرف سے کوشش کرکے اسے اپنی پناہ میں لے لیا جائے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر بھی اس کی حفاظت کی جائے۔

(۵) فسادات کے زمانے میں جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملے عامۃ الناس کو اور اگر ممکن ہو تو فسادات بھڑکانے والے سرغنوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، ان کو خدا سے ڈرایا جائے، اگر مسلمان ہوں تو ان کو دین کا حقیقی مقصد اور اس کے حصول کا صحیح طریقہ بتایا جائے اور ان پر واضح کیا جائے کہ یہ قومی کشمکش اور اس کے لیے یہ فساد کسی درجے میں بھی عنداللہ مقبول نہیں ہے اور اگر غیر مسلم ہوں تو ان پر نیشنلزم کے برے نتائج واضح کیے جائیں۔" (ترجمان القرآن جلد ۲۹ عدد ۵۔ صفحہ ۲۷۸)

مجلس شوریٰ نے یہ بھی فیصلہ کیا تھا کہ موجودہ حالات اور عام سیاسی فضا پر ایک مفصل اور مدلل اور مبنی بر انصاف بیان امیر جماعت مرتب کرکے شائع کریں اور اس میں یہ بتایا جائے کہ یہ حالات اور یہ سیاسی فضا کس چیز کا نتیجہ ہے اور ایک حق پرست انسان کو اس وقت کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہیے؟ لیکن مسلسل بیماری اور اپریشن کی وجہ سے امیر جماعت اب تک یہ بیان مرتب نہیں کر سکے۔

ہمیں یہ معلوم کرکے بہت زیادہ مسرت ہوئی ہے کہ ہمارے رفقا اور ہمدردوں اور متاثرین نے اکثر مقامات پر بہت اچھا کام کیا اور اپنے سیرت و کردار اور عدل و انصاف پر مبنی روش سے ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی صحیح خدمت کی لیکن ظاہر ہے کہ ارکان کی تعداد ملک میں ابھی آٹے میں نمک سے بھی کم ہے اس لیے جماعت کی اس روش کا اثر ابھی عام طور پر لوگ محسوس نہیں کر سکتے۔ تاہم امرتسر، راولپنڈی ضلع جہلم ضلع کیمبل پور، روڑی ضلع حصار اور بابا پور ضلع نظام آباد میں ہمارے ارکان اور ہمدردوں نے جو کام کیا ہے اس کا ذکر میں اس رپورٹ میں صرف اس لیے کرنا چاہتا ہوں کہ ہمارے جو رفیق اور ہمدرد ابھی تک حیران ہیں کہ موجودہ ہنگامو

کی فضا میں کیسے کام کیا جا سکتا ہے، انھیں معلوم ہو جائے کہ ان کے دوسرے رفقا نے ان حالات میں کس طرح کام کیا ہے۔

امرتسر کے ایک محلے میں ہمارے ایک ہمدرد نے دونوں قوموں کے مسلح اور متقابل گروہوں کو مسلسل چوبیس گھنٹے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر روکے رکھا اور رات دن ان کو سمجھاتے رہے اور بالآخر اپنے اہل محلہ کو فساد سے باز رکھنے میں کامیاب ہوگئے۔ فساد کے بعد جماعت کے لوگ سول ہسپتال میں پہنچے اور دیکھا کہ زخمیوں اور تیمارداروں سب میں فرقہ وارانہ خیالات کام کر رہے ہیں۔ ہمارے رفقا نے تمام زخمیوں کی بلا تمیز مذہب و قوم خدمت شروع کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہندو اور سکھ اور مسلمان سب زخمی اپنے اعزا سے بڑھ کر ان پر اعتماد کرنے لگے اور ان میں سے بیشتر لوگوں نے ہمارے رفقا کے پتے نوٹ کر لیے کہ بعد میں ان سے تعلقات رکھیں گے اور اس جماعت کے مسلک کو سمجھنے کی کوشش کریں گے جو ایسے لوگ تیار کرتی ہے، ہمارے رفقا کی اسی اخلاقی ساکھ کا نتیجہ تھا کہ ایک خالص غیر مسلم آبادی میں جماعت کے مکتبہ کو ایک سکھ نے ہندو اور سکھ بلوائیوں کا مقابلہ کر کے بچا لیا۔

راولپنڈی میں ہمارے ایک رکن اور ایک ہمدرد کا کام بھی قابل رشک رہا۔ جس محلے میں یہ رہتے ہیں وہ بجز ان کے دو گھروں کے سارا ہندوؤں اور سکھوں کا محلہ ہے اور ان دونوں کے گھر بھی ایک دوسرے سے کافی فاصلے پر ہیں لیکن یہ دونوں نہ صرف خود محفوظ رہے بلکہ مسلسل اور لگاتار جدوجہد سے انھوں نے اپنے محلے کے غیر مسلم لوگوں کو بھی فساد سے باز رکھا اور اس سے بچا لیا بلکہ ان کے اخلاقی اثر کا نتیجہ تھا کہ ہمارے دوسرے مقامی رفقا اور ہمدرد ان کی خبر گیری کے لیے عین فساد کے موقع پر رات دن اس محلے میں جاتے رہے لیکن کسی غیر مسلم نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔

ضلع جہلم جہاں مسلمان فسادیوں نے بہار اور گڑھ مکتیسر کے غیر مسلم فسادیوں کی پوری تقلید کی اور غیر مسلم اقلیت پر بے پناہ مظالم توڑے، وہاں ہمارے رفقا نے اپنے حدود اثر میں مظلوموں کی حمایت وحفاظت کا فرض جس طرح انجام دیا اس کا اعتراف خود ایک مقامی ہندو لیڈر نے ہندوؤں کے ایک وفد کے سامنے اس طرح کیا:

"اس علاقہ بھر میں ہمیں ان لوگوں کی ہستی پر فخر ہے۔ انھوں نے اپنے اخلاقی فرض کو ادا کرنے میں از حد اور جان توڑ کوششیں کیں۔ ان کی دی ہوئی چند اسلامی کتابیں "سلامتی کا راستہ"، "اسلام کا نظریہ سیاسی"، "اسلام اور جاہلیت" اور "جہاد فی سبیل اللہ" کا میں نے مطالعہ کیا اور اخبار کوثر بھی متواتر پڑھتا رہا۔ اس وقت اگر کوئی صحیح سوسائٹی ہے تو وہ ان حضرات کی ہے جو صحیح انسانی اخلاقی اصولوں پر کام کر رہی ہے۔ موجودہ لیڈروں اور اخبار نویس ایڈیٹروں کو ہٹا کر پرے بٹھا دیا جائے تو آج ہی ہندو مسلم فساد مٹ سکتا ہے اور دونوں قومیں گلے مل سکتی ہیں"۔

کیمبلپور میں ہمارے ایک رفیق کے کچھ کاشتکار بھی لوٹ مار میں شریک ہوئے۔ انھیں پتہ چلا تو وہ فوراً بیماری کی حالت میں ہی موقعہ پر پہنچے اور جو مال ان کے قبضہ میں پایا گیا وہ اصل مالکوں کو واپس دلا دیا اور ہندو اور سکھ آبادی کو اطمینان دلایا کہ وہ ان کی پناہ میں ہیں، انھیں کوئی خطرہ نہیں وہ پہلے مر جائیں گے تو انھیں کوئی ہاتھ لگا سکے گا۔

روڑی ضلع حصار میں بھی عید کے موقعہ پر دونوں قوموں میں بہت کھچاؤ پیدا ہو گیا لیکن مقامی جماعت کے امیر کے حسن اخلاق اور حسن تدبیر نے حالات کو ایسا خوشگوار بنا دیا کہ فضا بالکل صاف ہو گئی۔

بابا پور ضلع نظام آباد میں بھی دونوں قوموں کے حالات اس درجہ خراب ہو گئے تھے کہ دونوں فریقوں نے ہتھیار نکال لیے تھے لیکن مقامی جماعت نے رات دن کام کر کے اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈال کر فضا کو ہموار کیا۔ آخرکار نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مشترک جلسہ اور جاء کی دعوت ہوئی اور خود ہندوؤں نے تقریباً اسی قسم کے جملے کہے جو جہلم کے سلسلے میں بیان ہو چکے ہیں اور دونوں قوموں کو یقین دلایا کہ اطمینان رکھو جہاں جماعت اسلامی کے لوگ موجود ہوں گے وہاں انشاء اللہ فساد نہیں ہوگا۔

نواکھالی کے فساد کے بعد ہمیں فوراً یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ جماعت اگرچہ ابھی تک اتنی وسیع نہیں ہوئی ہے کہ اس پر کسی بڑے پیمانے پر ویسی ذمہ داریاں عائد ہوں جیسی دوسری بڑی ہندو اور

مسلمان جماعتوں پر ہیں لیکن بہر حال جماعت کو اپنی وسعت وسائل کی حد تک مظلومین فساد کی امداد اور ڈھارس بندھانے کا انتظام کرنا چاہیے مگر ہمیں افسوس ہے کہ مشرقی بنگال میں ہمارا کوئی ایک رکن یا ہمدرد بھی نہ تھا اور نہ وہاں ہماری آواز ہی پہنچی تھی اس لیے ہم نوا کھالی میں کوئی کام نہ کرسکے اس کے بعد بہار میں مسلمانوں کا جب قتل عام ہوا تو ہم نے پٹنہ میں اپنا کیمپ قائم کیا وہاں کی مقامی جماعت کی امداد کے لیے مرکز سے اپنے محترم رفیق محمد عبد الجبار غازی صاحب کو معہ مرکزی تربیت گاہ کے وہاں منتقل کر دیا اور وہ اب تک وہاں کام کر رہے ہیں۔

بہار میں اب تک جماعت نے جو کام کیا ہے اس کی کوئی واقعی رپورٹ تو اسی وقت پیش کی جا سکے گی جبکہ ہمارے کارکن اپنے پروگرام کو پورا کر کے وہاں سے واپس آجائیں گے کیونکہ ہم نے وہاں کے لیے کام کا جو نقشہ مرتب کر کے اپنے کارکنوں کے حوالے کیا ہے وہ کسی عاجلانہ اور فوری کام کا نقشہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک صبر آزما اور دیر طلب پروگرام ہے۔ اس وقت زیادہ سے زیادہ اس کام کا خاکہ بتایا جا سکتا ہے جو وہاں ہمارے رفقا کے سامنے ہے اور جس کی تکمیل کے ارادے سے وہ اب تک وہاں جمے ہوئے ہیں۔ بہار میں ہم حسب ذیل کام کرنا چاہتے ہیں:-

(۱) سب سے مقدم کام یہ ہے کہ وہاں کے مسلمانوں پر اکثریت کے بے تحاشا مظالم اور انکی اپنی تعداد کی غیر معمولی کمی کی وجہ سے خوف و ہراس کی جو حالت طاری ہو گئی ہے اس کو دور کر کے ان کی ہمت بندھائی جائے۔ اس بات کی ضرورت کچھ تو اس وجہ سے تھی کہ جو لوگ بہار میں مسلمانوں کے پیش پیش تھے ان کے ذہن خود منتشر تھے جس کی وجہ سے ان سے یہ توقع نہیں کی جا سکتی تھی کہ وہ کسی ہمت ہاری ہوئی بھیڑ کی پراگندگی کو دور کر کے اس کو از سر نو مجتمع اور پا برجا کر سکیں گے اور کچھ اس وجہ سے تھی کہ آج مسلمان لیڈروں پر بھی قومیت پرستی کا وہی روگ مسلط ہے جو دنیا کی دوسری قوموں پر مسلط ہے اس وجہ سے یہ مسلمانوں کی پست ہمتی کو دور کرنے کے لیے اگر کچھ کر سکتے ہیں تو صرف یہ کر سکتے ہیں کہ ان کے قومی تعصب کو بھڑکا کر ان کے اندر کچھ جوش پیدا کر دیں۔ ہمارے نزدیک اس طرح کا جوش بجائے خود ایک مہلک بیماری ہے جس کو اسلام نے حمیت جاہلیت کے

نام سے پکارا ہے اس وجہ سے ہم نے یہ چاہا کہ اس موقع پر ہم اپنے امکان بھر بہار کے مسلمانوں کے اندر وہ صحیح اسلامی روح پیدا کرنے کی کوشش کریں جو موجودہ خطرناک حالات میں ان کی ہمت بھی بندھائے اور ان کے طرز فکر اور طریق کار میں بھی تغیر پیدا کرے جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو ایک اقلیت کی حیثیت میں پا رہے ہیں اور ان کے غیر مسلم پڑوسی ان کو اپنے لیے رحمت کے بجائے مصیبت خیال کر رہے ہیں۔ ہم اس بات پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ اگر مسلمان سچے مسلمان بن جائیں اور اپنی ان ذمہ داریوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ جائیں جو شہداء اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے غیر مسلم بھائیوں کی اصلاح سے متعلق ڈالی ہیں تو کم از کم جہاں تک خود ان کا تعلق ہے ان کا رویہ اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے ساتھ فوراً ہمدردانہ ہو جائے گا اور توقع ہے کہ اس کے جواب میں غیر مسلموں کے رویہ میں بھی نہایت خوشگوار تبدیلیاں ہوں گی اور وہ اپنے اچھے پڑوسیوں کی اچھی باتوں اور ان کے اچھے کاموں سے اچھے سبق لیں گے۔ لیکن اگر ایسا نہ ہوا (جس کا اندیشہ بہت کم ہے) بلکہ وہ مخالفت اور عداوت ہی پر تلے رہے اور اس عداوت و مخالفت کے جنون میں انھوں نے اس سے زیادہ مظالم مسلمانوں پر ڈھائے جو انھوں نے بہار میں پچھلے دنوں ڈھائے ہیں تو اس سے مسلمانوں پر وہ خوف و ہراس نہ طاری ہوگا جو اس وقت طاری ہے بلکہ ان کی سچی خدا ترسی کی وجہ سے ان مظالم سے ان کی ہمت و قوت میں اضافہ ہوگا اور وہ شکستہ دل ہونے کے بجائے دگنے جوش و حوصلہ کے ساتھ نہ صرف اپنے کام کو جاری رکھیں گے بلکہ اپنے اوپر ظلم ڈھانے والے غیر مسلموں کے ساتھ اپنی شفقت و ہمدردی بھی باقی رکھیں گے۔ اس صورت میں لازمی طور پر اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہوگی اور کچھ سنگ دل قسم کے لوگ اگر ان کو ستائیں گے، ان کو گھروں سے نکالیں گے، اور ان کے جان و مال اور عزت و آبرو کے در پے ہوں گے تو خدا انھی غیر مسلموں کے اندر سے ایسے لوگوں کو اٹھائے گا جو اپنے ان صالح اور مصلح پڑوسیوں کے ساتھ نہ صرف ہمدردی کریں گے بلکہ ان کا پورا پورا ساتھ دیں گے لیکن قوم پرستی کا برا ہو کہ اس نے اس سیدھی اور صاف راہ کی طرف آنے سے مسلمانوں کو روک دیا ہے۔ اور اب ان میں دو ہی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں یا تو وہ لوگ ہیں

جو وطنی قومیت کے خبط میں مبتلا ہو کر مسلم اور غیر مسلم کا امتیاز ہی سرے سے کھو بیٹھے ہیں یا پھر وہ لوگ ہیں جو نسلی قومیت کے تعصب میں اس قدر خرد باختہ ہو گئے ہیں کہ اپنے اور غیر مسلموں کے درمیان عداوت کے تعلق کے سوا اور کسی تعلق کا امکان ہی نہیں سمجھتے۔

۲- دوسرا کام ہمارے رفقا کے سامنے یہ ہے کہ مسلمانوں کو مشورہ دیں کہ اپنی بستیاں الگ الگ خطوں (Pockets) کی شکل میں بنائیں۔ یہ مشورہ درحقیقت ہے تو حکومت کے سامنے پیش کرنے کا کیونکہ یہ کام عام لوگوں کے کرنے کا نہیں بلکہ حکومت ہی کے کرنے کا ہے لیکن جن لوگوں کے ہاتھوں میں آج حکومت کی باگ ہے ان سے ہم کو یہ امید نہیں ہے کہ وہ اپنے اغراض کے خلاف کوئی بات محض اس وجہ سے مان لیں گے کہ وہ معقول اور امن پسندانہ ہے اس وجہ سے ہم نے یہ راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے کارکنوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ مسلمان بستیوں کا کوئی خاص حلقہ منتخب کر کے وہاں کے مسلمانوں کے اندر انصار اور مہاجرین کی اسپرٹ پیدا کرنے کی کوشش کریں جن لوگوں کو منتقل کرنا ہو ان کے اندر ایسا جذبہ پیدا کیا جائے کہ ان کو اپنا اخلاقی اور دینی مفاد اتنا عزیز ہو جائے کہ اس کے لیے وہ ہر طرح کی عسرت اور تکلیف برداشت کر لینے پر آمادہ ہو جائیں اور جن لوگوں کی طرف منتقل کرنا ہو ان کے اندر ایثار کا وہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ وہ منتقل ہونے والوں کو بخوشی اپنی زمینوں اور دینی املاک میں شریک بنانے پر راضی ہو جائیں۔ اصلی چیز دلوں کے اندر جگہ کا پیدا ہونا ہے جب یہ چیز پیدا ہو جائے گی تو زمین بھی فراخ ہو جائے گی اور وسائل معیشت میں بھی برکت ہو گی۔ اس طرح ایک پاکٹ بھی اگر مسلمانوں کی اپنی ہمت و ایثار سے بن گیا تو اس کا سب سے بڑا فائدہ تو یہ ہو گا کہ اس کوشش میں آپ سے آپ مسلمانوں کی اخلاقی تربیت نہایت اعلیٰ درجہ کی ہو جائے گی اور دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ یہ پاکٹ ایک نمونہ کا کام دے گا جس کی نقل دوسرے خطوں کے مسلمان بھی کریں گے اور اس طرح آہستہ آہستہ یہ کام حکومت کی مدد کے بعد بلکہ اس کے علی الرغم انجام پا جائے گا اور جب حکومت یہ محسوس کرے گی کہ اقلیت اپنے تحفظ کے جائز وسائل اختیار کرنے پر تل گئی ہے تو بالآخر وہ بھی مجبور ہو گی کہ ان کے املاک و جائداد کے لیے کوئی ایسی شکل پیدا کرے کہ حقدار اپنے حقوق سے محروم نہ رہیں۔

(۳) تیسری چیز ہمارے رفقاء کے سامنے یہ ہے کہ اپنی استطاعت بھر امداد کا کام (ریلیف) کریں اس سلسلہ میں ہم نے اپنے کارکنوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ اس معاملہ میں مسلم وغیر مسلم کے درمیان ہرگز کوئی تفریق نہ کی جائے۔ اگر غیر مسلم بھی امداد کے مستحق ہوں تو ان کی بھی تا حد امکان ہر طرح کی امداد کی جائے نیز ہم کو یہ معلوم ہوا تھا کہ بہار کے آفت زدہ علاقہ میں ایک بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جو یوں تو سخت محتاج مدد ہیں لیکن وہ ریلیف کمیٹیوں اور ان کے امدادی کیمپوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا رہے ہیں۔ یہ اپنی شرافت اور خودداری کی وجہ سے ریلیف کمیٹیوں اور امدادی کیمپوں کے دروازے کھٹکھٹانے پر آمادہ نہیں ہیں اور کوئی ایسا امدادی ادارہ اس علاقہ میں موجود نہیں ہے جو خود ان کا کھوج لگا کر ان کی امداد کرے۔ ہم نے اس ضرورت کو محسوس کر کے اپنے کارکنوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ امکانی کوشش کر کے اس طرح کے متعفف اور خوددار لوگوں کا سراغ لگائیں اور ان کے حالات درست کرنے کی کوشش کریں۔ علاوہ ازیں، ایسے لوگوں کی تعداد بھی فساد زدہ علاقہ میں کچھ کم نہیں تھی جو اپنے قیمتی سامان اور املاک از قسم زیورات وغیرہ اونے پونے بیچ رہے تھے۔ ہم نے اس سلسلہ میں بھی کچھ ضروری ہدایات اپنے کارکنوں کو دی ہیں کہ اول تو وہ لوگوں کو اس طرح کے اقدام سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور اگر باز رکھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم اس کا بندوبست کیا جائے کہ ان کی چیزیں بازار کے نرخ پر بک جائیں۔" (ترجمان القرآن جلد ۳۰ عدد ۴۔ صفحہ ۱۹۶ تا ۱۹۹)

اب شمالی مغربی پنجاب اور ملتان ڈویژن میں جو فسادات ہوئے ہیں وہاں بھی کام شروع کرنے کے لیے ہم نے دورے کے لیے جماعت کے معتمد اصحاب کو بھیجا۔ راولپنڈی ڈویژن کی رپورٹ ہمارے پاس آچکی ہے اور کام کا نقشہ اور پروگرام زیر غور ہے۔ ملتان سے ابھی کوئی رپورٹ نہیں پہنچی لیکن اب یہ ریلیف کا کام اتنا وسیع ہوگیا ہے کہ بہار کی طرح کوئی کل ہند ریلیف کیمپ قائم کرنا ممکن نہیں رہا۔ اب یہی ہوسکتا ہے اور ہم کر بھی یہی رہے ہیں کہ ہر علاقہ کے ارکان کو مرکز سے ہدایات دے کر اسی علاقے میں کام پر لگا دیں اور وہ خود اس کام کو سنبھالیں اب یہ ممکن نہیں ہے کہ دوسرے علاقوں سے کارکن کسی جگہ بھیجے جائیں۔ اس لیے بہار میں بھی لکھ دیا گیا ہے کہ وہاں کے کام کو بھی اب مقامی جماعت

اور اس علاقے کے ارکان اور ہمدردوں کے سپرد کرنے کے انتظامات کی طرف توجہ کی جائے۔

عام حلقہ وار اجتماعات اس سال گذشتہ سال کی بہ نسبت عام حلقہ وار اور ضلعی اجتماعات زیادہ ہوئے لیکن تربیت گاہ کی مصروفیتوں، امیر جماعت کی مسلسل بیماری اور غازی صاحب کے پٹنہ چلے جانے کی وجہ سے مرکز میں کام اس قدر زیادہ رہا کہ بجز راولپنڈی، سیالکوٹ اور سرائے میر ضلع اعظم گڑھ کے اجتماعات کے کسی اجتماع میں بھی مرکز سے کوئی نہ پہنچ سکا۔

بقیہ اجتماعات میں اگرچہ مرکز سے کوئی بھی شریک نہ ہو سکا لیکن وہ سب کے سب خاصے کامیاب اور موثر ثابت ہوئے۔ اب ضرورت بھی اسی چیز کی ہے کہ ہر علاقہ کے ارکان اور قیم صاحبان اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ خود کافی بنانے کی طرف توجہ کریں کیونکہ جماعت کے کام کے پھیلنے کے ساتھ ساتھ یہ زیادہ سے زیادہ مشکل ہوتا جائے گا کہ مرکز سے ہر اجتماع میں کوئی آدمی شامل ہو۔

مجلس شوریٰ کا انتخاب جماعت جب تک ابتدائی حالت میں تھی، مجلس شوریٰ کا انتخاب امیر جماعت کی اپنی صوابدید پر تھا۔ اجتماع الہ آباد کے موقع پر اس نئی پالیسی کا آغاز کیا گیا کہ مجلس شوریٰ کے انتخاب میں پوری جماعت سے استصواب کیا جائے۔ پچھلے سال اس کی صورت یہ تجویز کی گئی تھی کہ امیر پوری جماعت پر نگاہ ڈال کر بارہ موزوں ترین آدمی چن لے اور پھر ہر رکن جماعت سے الگ الگ استصواب رائے کر لیا جائے کہ آیا اسے امیر جماعت کے انتخاب سے اتفاق ہے یا وہ کوئی تبدیلی چاہتا ہے۔ پھر ارکان کی رائیں سامنے رکھ کر امیر جماعت مجلس شوریٰ منتخب کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور حسب ذیل حضرات مجلس شوریٰ کے ارکان منتخب ہوئے:-

(۱) مولانا امین احسن صاحب اصلاحی۔ (۲) مولانا مسعود عالم صاحب ندوی۔ (۳) مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مدراسی۔

(۴) جناب عبدالجبار صاحب غازی۔ (۵) مولانا عبدالغفار حسن صاحب مالیر کوٹلہ۔ (۶) ملک نصر اللہ خاں صاحب عزیز لاہور۔

(۷) خان سردار علی خاں صاحب بیرحد (۸) جناب محمد یوسف صدیقی صاحب ٹونک (۹) سردار محمد اکبر خاں صاحب کیمبلپور

(۱۰) قاضی حمید اللہ صاحب سیالکوٹ (۱۱) سید عبدالعزیز شرقی صاحب (۱۲) چودھری شفیع احمد صاحب یوپی۔

ان کے علاوہ قیم جماعت کو مجلس شوریٰ کے بحیثیت عہدہ رکن مقرر کیا گیا۔

اب نیا انتخاب تین سال کے لیے کیا جا رہا ہے اور اس کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ ہر رکن جماعت ایک سے لے کر جس قدر تعداد تک مناسب سمجھے مجلس شوریٰ کے لیے موزوں ارکان کے نام لکھ کر یہ پرچہ بتحت خود اپنے دستخط کے واپس بھیج دے۔ ان لوگوں میں سے پھر امیر جماعت بارہ موزوں ترین آدمیوں کو منتخب کریں گے۔

قیم جماعت اب کے بھی بحیثیت عہدہ مجلس شوریٰ کا رکن ہوگا۔

ہماری مشکلات | ویسے تو جماعت کی راہ میں بہت سی مشکلات ہیں لیکن اس وقت مرکز نہ بنا ہونے کی مشکل نے دوسری تمام مشکلات کی اہمیت کو ختم کر دیا ہے۔ جماعت کے پیش نظر جتنی تعمیری تجویزیں ہیں ان سب کے عمل میں آنے کا انحصار اس پر ہے کہ نئی عمارات بنائی جائیں، اور نئی عمارات کا بننا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک جماعت کے پاس خود اپنی زمین نہ ہو۔ ستمبر ۴۶ء میں مجلس شوریٰ یہ فیصلہ کر چکی ہے کہ کسی ایسے وقف کی زمین پر جماعت کا روپیہ صرف نہ کیا جائے جس کی تولیت امیر جماعت کو بحیثیت عہدہ حاصل نہ ہو۔ اس فیصلہ کی بنا پر ہم یہاں کوئی تعمیر نہیں کر سکتے اور اسی وجہ سے ہمارے تمام کام ایک حد پر آ کر رک گئے ہیں۔

اب مرکز کے بارے میں یہ سکیم بنائی گئی ہے کہ پنجاب کے کسی موزوں مقام پر [illegible] ایکڑ زمین کا کوئی ٹکڑا ارکان اور ہمدرد مل کر اس طرح خریدیں کہ نصف حصہ جماعت کو دیں اور نصف اپنے لیے رکھیں۔ زمین ساری کی ساری جماعت کی رجسٹری شدہ سوسائٹی کے نام خریدی جائے گی اور وہ نصف حصہ رکھ کر باقی نصف حسب حصص خریداروں میں تقسیم کر دے گی۔ یہ اسکیم مفصل چھپوا کر ہر رکن جماعت کے پاس بھیج دی گئی ہے۔ اگر یہ تجویز کامیاب ہو گئی تو مرکز کی موجودہ ضروریات کے لیے زمین جماعت کو مفت مل جائے گی کیونکہ جماعت کی مالی حالت اس وقت ایسی ہے کہ اگر زمین بھی خود ہی خرید کریں تو پھر تعمیر کے لیے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچتا۔

زمین کی خرید کے راستے میں بہت سی قانونی مشکلات بھی حائل ہیں، ایکٹ انتقال اراضیات، شفع اور تنسیخ کی بے شمار رکاوٹیں ہیں۔ ہم اپنے ارکان اور ہمدردوں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ

پہلو ضلع جالندھر سے لے کر جہلم، راولپنڈی تک تینوں لائن پر اور کسی اچھے اسٹیشن سے متصل بیس پچیس گھماؤں کا ٹکڑا زمین تلاش اور حاصل کرنے میں ہماری مدد کریں۔ صوبہ پنجاب کے ارکان جماعت کو خاص طور پر اس طرف توجہ کرنی چاہیے تاکہ جماعت کے رکے ہوئے کام جلد سے جلد آگے بڑھ سکیں۔

جماعت کے کام میں دوسری بڑی مشکل جس کی وجہ سے مذکورہ بالا مشکل اور زیادہ شدید بن گئی ہے وہ امیر جماعت کی مسلسل اور غیر معمولی بیماری ہے۔ وہ ڈھائی تین سال سے گردے کی تکلیف میں مبتلا ہیں۔ گذشتہ سالانہ اجتماع الہ آباد میں وہ تشریف تو لے گئے لیکن اس میں کوئی حصہ نہ لے سکے۔ اجتماع کے بعد اپریشن کا خیال تھا لیکن اسی اجتماع کے موقعہ پر اطبا اور ڈاکٹروں نے مل کر کانفرنس کی اور اس بات پر زور دیا کہ اپریشن سے پہلے پتھری کو دوائیوں سے خارج کرنے کی کوشش کی جائے۔ علاج شروع کیا گیا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا بلکہ طبیعت خراب تر ہوتی گئی۔ آخر کار اکتوبر کے مہینے میں اپریشن کروا دیا گیا تو بائیں گردے سے ۵ پتھریاں برآمد ہوئیں۔ خدا کا شکر ہوا کہ گردہ صحیح سلامت بچ گیا۔ اپریشن سے ابھی صحت پوری طرح بحال بھی نہ ہوئی تھی کہ جنوری کے تیسرے ہفتے میں پھر گردے میں درد ہوا۔ ایکسرے کروانے سے معلوم ہوا کہ پھر تین پتھریاں بننے لگ گئی ہیں۔ ہندوستان اور ولایت کے ماہر ڈاکٹروں سے مشورہ لیا گیا تو انھوں نے اپریشن کو ناگزیر بتایا لیکن اب اپریشن کا ارادہ ترک کر کے ایک حکیم صاحب کا علاج شروع کیا گیا ہے اور نتائج بہت امید افزا ہیں[1]۔ اگر امیر جماعت کی صحت ٹھیک رہتی تو کام اب تک بہت کافی آگے بڑھ گیا ہوتا۔

پھر سرمائے اور کارکنوں کی کمی کی وجہ سے بھی اکثر کام رکے پڑے ہیں اور مشکلات کے قائم رہنے اور دور نہ ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے۔ اگر ہمارے پاس سرمایہ اور کارکن کافی تعداد میں موجود ہوں تو اکثر و بیشتر مشکلات پر بآسانی قابو پایا جا سکتا ہے۔ ملک کی بدامنی نے ہماری آمدنی پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہے نہ کاغذ وقت پر مل رہا ہے، نہ کتابیں وقت پر چھپ سکتی ہیں اور جو موجود بھی ہیں وہ بھی بکنگ کی پابندیوں کی وجہ سے ہر جگہ حسب ضرورت نہیں بھیجی جا سکتیں۔

[1] اللہ کا شکر ہے کہ اس علاج سے ۸ رجون ۴۷ء کو مٹر کے دانے کے برابر ایک پتھری خارج ہوئی۔ ایکسرے کرانے سے معلوم ہوا ہے کہ گردہ میں اب دو پتھریاں باقی

مرکزی بیت المال اور اس کے حسابات

اب میں آپ کے سامنے جماعت کے مرکزی بیت المال کے حسابات پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو گذشتہ سال میں جماعت کی مالی حالت کا بھی ٹھیک اندازہ ہوجائے۔

تفصیل آمدنی مرکزی بیت المال جماعت اسلامی از یکم اپریل ۱۹۴۶ء تا ۲۸ فروری ۱۹۴۷ء

مد	روپے	آنے	پائی
۱۔ فروخت کتب	۳۵۱۸۷	۱۳	۹
۲۔ اعانت	۱۰۵۲۲	۱۳	۶
۳۔ زکوٰۃ	۱۰۴۳۶	۶	۰
۴۔ فروخت پریس	۲۳۰۰	۰	۰
۵۔ متفرق	۴۷۸۹	۱۵	۶
۶۔ وصولی قرض	۱۰۸	۶	۰
۷۔ امانت	۱۳۵۴	۱۲	۰
جملہ آمدنی	۷۸۷۰۰	۲	۹
بقایا سال گذشتہ	۲۲۸۰۹	۱۵	۷
میزان کل	۱۰۱۵۱۰	۲	۴

وصول طلب رقوم:-

مد	روپے	آنے	پائی
بمد کتب	۱۴۷۱۹	۱۳	۰
بمد قرض	۴۵۴۸	۱۱	۹
میزان	۱۹۲۶۸	۸	۹

اسٹاک:-

مد	روپے	آنے	پائی
کتب موجودہ	۴۳۱۲۰	۴	۶
کاغذ	۱۵۰۰	۰	۰
دیگر	۲۷۶۵	۸	۶
میزان	۴۷۳۸۵	۱۳	۰

تفصیل خرچ مرکزی بیت المال جماعت اسلامی از یکم اپریل ۱۹۴۶ء تا ۲۰ فروری ۱۹۴۷ء

۱- شعبۂ مکتبہ	۳۹۴۶۹ - ۱۲ - ۹
۲- شعبۂ تعلیم	۱۴۱۶ - ۱۴ - ۳
۳- شعبۂ تراجم	۴۴۵۱ - ۱۵ - ۰
۴- شعبۂ انتظام ونظم جماعت مقامی وبیرونی	۶۲۱۱ - ۷ - ۹
۵- اسٹیشنری	۴۰۱ - ۹ - ۳
۶- سفر خرچ	۴۲۸ - ۱۳ - ۶
۷- ڈاک خرچ	۲۵۴ - ۱۳ - ۶
۸- تربیت گاہ	۲۶۳ - ۱ - ۶
۹- مہمان خانہ	۱۰۳۱ - // - ۹
۱۰- اعانت مستحقین	۱۸۴۱ - ۱۲ - ۳
۱۱- اعانت مظلومین بہار از مرکزی بیت المال	۱۴۴۵ - ۳ - ۹
۱۲- تعمیرات	۶۴۰۳ - ۵ - ۶
۱۳- فرنیچر	۲۱۲ - ۱۲ - ۰
۱۴- کتب خانہ	۱۹۸ - ۴ - ۰
۱۵- دارالمطالعہ	۷۵ - ۱۵ - ۶
۱۶- واپسی امانت	۱۸۸ - ۴ - ۰
۱۷- قرض	۴۵۴۸ - ۱۱ - ۹
۱۸- متفرق	۶۰۵ - ۱۵ - ۶
۱۹- غلہ	۱۹۱۱ - ۱ - ۹
کل خرچ	۷۱۲۶۱ - ۳ - ۳

میزان آمدنی	۱۰۱۵۱۰ - ۲ - ۴
” خرچ	۷۱۲۶۱ - ۳ - ۳
بقایا	۳۰۲۴۸ - ۱۵ - ۱

اس کے بعد جناب محمد یوسف صدیقی قیم حلقہ راجپوتانہ و وسط ہند نے اپنے حلقے کی سالانہ رپورٹ پیش کی اور یہ اجلاس ختم ہوا۔

نوٹ: صوبہ بمبئی کے قیم صاحب اپنی بیماری کی وجہ سے اجتماع میں نہیں آسکے تھے اس لیے وہاں کی رپورٹ پیش نہ ہو سکی۔

دوسرا اجلاس بروز جمعہ

یہ اجلاس خاص تھا اور نماز جمعہ کے بعد ٹھیک تین بجے قیام گاہ کے ہال میں شروع ہوا۔ اس اجلاس میں وہ تجاویز اور سوالات پیش ہوئے جو مختلف جماعتوں اور ارکان کی طرف سے آئے ہوئے تھے۔ پہلے قیم جماعت ان میں سے ایک ایک تجویز اور سوال کو پڑھ کر سنا دیتے تھے اس کے بعد مجوزین اور دوسرے حضرات کو موقع دیا جاتا کہ وہ اس کے موافق یا مخالف اپنے خیالات کا اظہار کریں اور آخر میں امیر جماعت اپنے فیصلے یا رائے کا اظہار کرتے اور حاضرین کو پھر موقع دیا جاتا کہ اگر کوئی صاحب اس سے مطمئن نہ ہوئے ہوں تو اپنے عدم اطمینان کے وجوہ بیان کریں لیکن اس کا کوئی موقع نہ آیا۔ یہ تجاویز اور سوالات اور ان پر امیر جماعت نے اپنے جس فیصلے یا رائے کا اظہار کیا وہ نمبر وار درج ذیل ہیں۔

نمبر ۱۔ ہوملی سینڈل انڈسٹریز کانپور کی طرف سے جو تجارتی اسکیم شروع کی گئی ہے اس کے خلاف مختلف لوگوں کو طرح طرح کی شکایات پیدا ہو رہی ہیں اور اس امر کا سخت اندیشہ ہے کہ وہ جماعت کی بدنامی کی موجب بلکہ اس کے لیے فتنہ ثابت ہو۔ بعض لوگ اس اسکیم کی خرابیوں کو دیکھ کر تحریک اسلامی سے بدگمان ہو رہے ہیں اور یہ کہنے لگے ہیں کہ اصول تحریک اچھے ہوں تو ہوں مگر اصحاب تحریک یہاں بھی اسی طرح کے جمع ہیں جیسے دوسری تحریکوں میں۔ اس لیے اس طرف فوری اور خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

امیر جماعت: ہمارے پاس کچھ مدت سے اس قسم کی شکایات آرہی ہیں جب ہم نے اس سکیم کو منظور کیا تھا اس وقت اس کی تفصیلات اور اس کے سارے عملی پہلو ہمارے سامنے نہیں تھے۔ اب اس سکیم کو حافظ رشید الحسن صاحب کی ذاتی اسکیم قرار دے دیا گیا ہے اور حلقہ تجارو اہل صنعت کو اس سے الگ کر کے جناب سلطان احمد صاحب (فیئر پرائس شاپ، لال باغ سرکس۔ لکھنؤ) کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ حافظ صاحب کی اس تجارتی سکیم کے نظم و نسق سے ہمیں کوئی سروکار نہیں البتہ ان کے خلاف اگر بد معاملگی کی کوئی شکایت ہو تو وہ واضح مثالوں اور تفصیل کے ساتھ ہمارے پاس آنی چاہیے تاکہ اس کی

تحقیقات کی جا سکے۔ اب تک جتنی شکایات بھی ہمارے پاس آئی ہیں وہ بد انتظامی کی شکایتیں ہیں بدمعاملگی کی کوئی شکایت ہمارے سامنے نہیں آئی۔

مجوز صاحب: جماعت کے اس فیصلے کو شائع کر دینا چاہیے تاکہ لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جائے اور آئندہ وہ اس اسکیم کو جماعت کی طرف منسوب نہ کریں۔

امیر جماعت: اس اجتماع کی روداد میں یہ شائع ہو جائے گا۔

نمبر ۲۔ تفہیم القرآن جس قدر تیار ہو چکی ہے اس کی اشاعت کا جلد از جلد انتظام کیا جائے قرآن فہمی کے سلسلے میں اس کی انتہائی ضرورت ہے۔

امیر جماعت: میری صحت کی خرابی اور اردو اور عربی کے کسی اچھے کاتب کا نہ ملنا جو میرے پاس رہ کر کتابت کا کام کرے اس کام میں رکاوٹ پیدا کر رہے ہیں۔ ان اجتماعات سے فارغ ہو کر انشاء اللہ اس کا انتظام کیا جائے گا۔ جہاں تک اس ضرورت کا تعلق ہے ہم خود بھی شدت سے اسے محسوس کر رہے ہیں۔

نمبر ۳۔ جماعت اسلامی کی طرف سے ایک وفد مقرر کیا جائے جس کے ارکین میں مولانا امین احسن صاحب اور مولانا صبغۃ اللہ صاحب ضرور ہوں اور یہ وفد مولانا .... اور مولانا .... اور دیگر مشہور اور بااثر علماء و مشائخ کے پاس پہنچ کر جماعت اسلامی کے نصب العین اور طریق کار کے متعلق زبانی گفتگو کرے اور جو غلط فہمیاں ہوں ان کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

نیز یہی وفد یا دوسرا وفد .... اور دوسرے مسلمان لیڈروں کے پاس جائے اور ان کو اسلام کے اصل اور صحیح مقتضیات سے واقف کرنے کی کوشش کرے اور

یہی یا دوسرا وفد .... اور دوسرے ہندو اور اچھوت لیڈروں کے پاس پہنچ کر ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرے اور انہیں بتائے کہ اسلام، اسلامی سیاست اور اسلامی نظام کی حقیقت کیا ہے؟

امیر جماعت: یہ تجویز ہمارے سامنے کئی سال سے بار بار لائی جا رہی ہے۔ یہ دراصل لیڈروں

کی طبیعت اور ان کی نفسیات سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ لیڈروں کی نفسیات عام لوگوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں۔ کسی تحریک میں لیڈر وہی شخص ہو سکتا ہے جو اس تحریک کے مقصد اور نصب العین میں سب سے زیادہ پختہ، سب سے زیادہ ثابت قدم اور اس تحریک کے اصولوں پر سب سے زیادہ بڑھ کر ایمان رکھنے والا ہو، جس کی ان مقاصد کے لیے شیفتگی اس درجے کو پہنچی ہو کر ان کے حصول کے لیے نہ صرف وہ خود نتائج سے بے پروا ہو کر میدان میں کود سکے بلکہ اپنے عزم راسخ اور قوت عمل سے اپنے گرد وپیش کے لوگوں کو بھی ان مقاصد کی محبت میں متحرک کر دے اس لیے کسی شخص کا لیڈر ہونا ہی اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنی جماعت کا آخری شخص ہے جسے اپنے اصولوں اور مقاصد سے ہٹایا یا ان کے خلاف مطمئن کیا جا سکتا ہے۔

نیز یہ جمہوری تحریکوں کا زمانہ ہے اور اس وقت قوت و اقتدار عوام اور جمہور کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت کے لیڈر بظاہر لوگوں کے آگے لیکن حقیقت میں ان کے پیچھے چلنے والے ہیں اس لیے لیڈروں کو متاثر کرنے کا صحیح اور موثر طریقہ ان کو براہ راست مخاطب کرنا نہیں بلکہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو اپنی طرف کھینچا جائے جن کے بل پر وہ لیڈری کر رہے ہیں اور جن کو کھینچنا نسبتاً بہت آسان ہے۔ جب تک ان کی ایک بڑی تعداد آپ اپنے ساتھ نہ ملالیں لیڈر صاحبان آپ کی بات سننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی ان کو اس کی ضرورت محسوس ہو سکتی ہے۔

نیز کسی لیڈر کے پاس اس کی اپنی دعوت کے خلاف کوئی دوسری دعوت براہ راست لے کر جانا تفہیم کا موجب تو نہیں البتہ تصادم کا موجب ضرور ہو سکتا ہے۔

نمبر ۴۔ مرکز سے ایک ہندی اور ایک گجراتی رسالہ یا اخبار جاری کیا جائے۔ ہندی اور گجراتی جاننے والے کثیر التعداد مسلمان اور دیگر قومیں دعوت اسلامی سے نابلد ہیں۔

امیر جماعت: مرکز سے تو ایسے کسی رسالے یا اخبار کے اجراء کی کوئی شکل نہیں ہے اور نہ یہاں ہیں اس کا انتظام ہو سکتا ہے۔ البتہ ہندی اور گجراتی دارالاشاعت اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جائیں اور ان زبانوں میں کچھ لٹریچر پیدا ہو کر فضا ہموار ہو جائے تو آگے چل ان دارالاشاعتوں سے رسالوں

اور اخباروں کے اجرا کا بھی کام لیا جائیگا چنانچہ بمبئی کی جماعت کے امیر کا جو اس وقت گجراتی ڈیلی انشا عت کے انچارج بھی ہیں پورا وقت لینے کا انتظام کیا جا رہا ہے۔

نمبر ۵۔ تربیت گاہ اطفال قائم کی جائے تاکہ آئندہ نسل ٹھیک اور صحیح لائنوں پر تربیت پاکر تحریک کے کاموں کے لیے تیار ہو سکے۔

امیر جماعت: یہ مقصد درسگاہ کے قیام سے حاصل ہو سکے گا اور درسگاہ کے قیام کے لیے ضروری ہے کہ جماعت کے پاس اپنا مرکز اور زمین ہو تاکہ اس پر عمارتیں تعمیر کر کے درسگاہ شروع کی جا سکے۔ اس وقت ہم مرکز کے لیے اپنی زمین حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ان تجاویز کے بعد ایک صاحب نے حسب ذیل سوالات کیے جو مع جواب کے درج کیے جاتے ہیں:۔

سوالات (۱) یہ تسلیم ہے کہ مسلم لیگ کے پیش نظر جو پروگرام ہے وہ غیر اسلامی ہے لیکن اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مسلمانوں کی اکثریت دین سے ناواقف ہے، علماء نے انھیں اسلام سمجھانے کی کوئی کوشش نہیں کی، وہ اپنے سیاسی لیڈروں کے بتلائے ہوئے راستے کو ہی صراط مستقیم اور اسلام کا صحیح راستہ سمجھ رہے ہیں اور غیر مسلم قومیں ان کے وجود کو مٹانے کے لیے سفا کی وخونریزی سے کام لے رہی ہیں ان حالات میں ان کی مظلومی میں جماعت ان کا ساتھ کیوں نہ دے اور غیر مسلموں سے اس مدافعانہ جنگ میں شریک کیوں نہ ہو؟

(۲) اس وقت برطانیہ ہندوستان کی حکومت ہندوستانیوں کے سپرد کر رہا ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ہندوؤں کا حصہ ہندوؤں کے حوالے کیا جائے اور مسلمانوں کا حصہ مسلمانوں کے حوالے کیا جائے اور دوسری یہ کہ پورے ملک کی باگ ڈور اکثریت یعنی ہندوؤں کے حوالے کر دی جائے۔ ظاہر ہے کہ اگر آپ نے مسلم لیگ کا ساتھ نہ دیا تو غیر مسلم اکثریت سارے ملک پر اور مسلمانوں پر مسلط ہو جائے گی۔

امیر جماعت:۔ ان سوالوں کا واضح مطلب یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں کی اس قومی تحریک کا ساتھ دیا جائے اور جب یہ حالات ختم ہو جائیں تو پھر ان کا ساتھ

چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ اسے تو سائل صاحب خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ تحریک غیر اسلامی ہے۔ مگر میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ جس قسم کے حالات دیکھ کر وہ ہم سے اس وقت یہ مطالبہ کر رہے ہیں، ایسے حالات کبھی ختم نہ ہوں گے۔ مسائل پر مسائل پیدا ہوتے چلے جائیں گے اور ہر مسئلہ پہلے مسئلے سے شدید تر ہوگا اور آپ کہیں بھی لکیر نہیں کھینچ سکیں گے کہ فلاں حد تک تو ہم ان قومی تحریکوں کا ساتھ دیں گے اور وہاں پہنچ کر ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ یہ تو ہے اس سوال کا ایک رخ۔ دوسرا رخ جو اس سے کہیں زیادہ قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ جب آپ ایک تحریک کو خود غیر اسلامی مان رہے ہیں تو پھر کس منہ سے ایک مسلمان سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کا ساتھ دیا جائے۔ جن مسائل اور مصائب کا اس قدر رونا رویا جا رہا ہے یہ مسائل اور مصائب سرے سے پیدا ہی نہیں ہوتے اگر مسلمان اسلام کے فی الواقع سچے نمائندے ہوتے۔ اور اگر مسلمان اب بھی سچے مسلمان بن جائیں تو آج ہی یہ سارے مسائل ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ ہندوستان کے ایک ذرا سے کونے میں پاکستان بنانے کو اپنا انتہائی مقصد بنائے ہوئے ہیں، لیکن اگر یہ فی الواقع خلوص قلب سے اسلام کی نمائندگی کے لیے کھڑے ہو جائیں تو سارا ہندوستان پاکستان بن سکتا ہے اور اس میں ایک لادینی جمہوری حکومت (Secular Democratic state) یا عوامی پارلیمنٹری حکومت (Popular Parliamentry Govt) نہیں بلکہ خالص خدا کی حکومت کتاب و سنت کے اصولوں پر قائم ہو سکتی ہے۔

اسلام کی لڑائی اور قومی لڑائی ایک ساتھ نہیں لڑی جا سکتی۔ اگر لوگ اسلام اور اسلامی طریق کار کو اپنی خواہشات نفس کے خلاف پا کر اُن کو ترک کر دینا چاہتے ہیں تو ہیر پھیر کے راستوں سے آنے کے بجائے صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ اللہ اور رسول کے کام کو چھوڑیے اور ہمارے نفس کے کام میں حصہ لیجیے۔

امیر جماعت کی اختتامی تقریر اور ہدایات اس کے بعد امیر جماعت نے ایک مختصر تقریر کے ذریعے ارکان جماعت اور ہمدردوں کو حسب ذیل ہدایات دیں:

۱۔ میں بعض ارکان میں احساس ذمہ داری اور سرگرمی کم پاتا ہوں۔ اول تو جو عہد آپ نے اپنے رب سے کیا ہے اسی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کو ہر آن اپنے رب کے سامنے جوابدہی کا احساس لگا رہے دوسرے اب اس ملک میں اور باہر جو حالات رونما ہو رہے ہیں وہ بھی تقاضا کرتے ہیں کہ اب آپ اپنی ساری قوتیں اس راہ میں لگا دیں۔ شیطانی قوتیں اس وقت پورے شد و مد کے ساتھ اپنے تمام ذرائع و وسائل دنیا میں فساد پھیلانے کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں اور اس کے لیے ہر قربانی پیش کر رہی ہیں۔ اگر ہمارا واقعی یہ ایمان ہے کہ دین حق ہی بنی نوع انسان کی فلاح اور سلامتی کا ضامن ہے اور اگر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کے باشندے جس راہ پر جا رہے ہیں یہ تباہی کی طرف لے جانیوالی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ دینی اس آواز کو اس ملک میں بسنے والے ایک ایک شخص تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ وہ مانے یا نہ مانے یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔ ہمارا کام پہنچا دینا ہے تاکہ جو کوئی ہمارا ساتھ دے یہ جانتا ہوا ساتھ دے کہ وہ کس چیز کا ساتھ دے رہا ہے اور جو شخص مخالفت کے لیے کھڑا ہو وہ بھی یہ جانتا ہوا مخالفت کرے کہ کس چیز کی مخالفت کر رہا ہے۔

۲۔ اس حلقے کے ارکان اور ہمدردوں میں باہمی تعاون بھی کم پایا جاتا ہے۔ انھیں آپس میں اس سے بہت زیادہ مربوط ہونا چاہیے۔ پنجاب میں اسوقت ہمارے کام کی رفتار بہت تیز ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر کمشنری کے ارکان سہ ماہی اجتماعات کرتے رہتے ہیں، بعض اضلاع کے لوگ ہر مہینے جمع ہوتے ہیں، آپس میں تعاون کی صورتیں نکالتے ہیں، اپنے گذشتہ کاموں کا جائزہ لیتے ہیں اور آئندہ کے لیے کام کو بڑھانے کے پروگرام بناتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس حلقے کے جو چار ڈویژن بنائے گئے ہیں وہ بھی اسی طریقہ پر کام شروع کریں۔ ہر ڈویژن کے لوگ ہر تیسرے مہینے جمع ہوں اور یہ اجتماعات جگہ بدل بدل کر مختلف مقامات پر کیے جاتے رہیں۔ اس طرح آپس میں تعاون بڑھے گا، کارکنوں کی دلچسپی بھی تازہ ہوتی رہے گی، دعوت کو پھیلانے کے بھی نئے نئے مواقع سامنے آئیں گے، اور اجتماعات کی کشش متاثرین کو بھی کھینچتی چلی جائے گی۔

۳- ارکان جماعت تعلیم بالغاں کی طرف توجہ نہیں کر رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کام کی اہمیت کو سمجھیں۔ اگر آپ کو آگے چل کر عوام میں کام کرنا ہے اور اپنی اس تحریک کو دیہاتیوں میں، مزدوروں میں اور عام شہری آبادیوں میں پھیلانا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ عوام سے قریب تر ہونے کی کوشش کریں، اور ان کے اندر کام کرنے کے لیے خود انہی میں سے کارکن تیار کریں۔ تعلیم بالغاں سے یہی مقصد ہمارے پیش نظر ہے۔ اپنی اپنی بستی کے ان پڑھ عوام کے ساتھ روابط بڑھائیے، ان کی روزانہ زندگی اور معاملات میں دلچسپی لیجیے، ان کے سامنے ان پڑھ رہنے کے نقصانات واضح کیجیے، پھر جب ایک دو آدمی بھی پڑھنے کے لیے تیار ہو جائیں تو بلا معاوضہ ان کو پڑھانا شروع کر دیجیے اور اس سلسلہ میں جس سامان کی بھی ضرورت ہو وہ خود مہیا کیجیے۔ ان پر قطعاً کوئی بار نہ ڈالیے۔ اس خدمت کے ساتھ اپنے اخلاق سے بھی ان کو متاثر کیجیے، ان کے ساتھ محبت، ہمدردی اور مساوات کا برتاؤ کیجیے، ہر مصیبت میں ان کے کام آئیے اور ان کے سچے دوست اور مخلص مشیر بن کر رہیے۔ ان کی اخلاقی و دینی اصلاح میں بے صبری سے کام نہ لیجیے۔ براہ راست تبلیغ کی بہ نسبت بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب وہ اردو عبارت پڑھنے کے قابل ہو جائیں تو انھیں جماعت کے لٹریچر میں سے آسان چیزیں کورس کے طور پر پڑھانی شروع کر دی جائیں۔ اس طرح آپ دیکھیں گے کہ رفتہ رفتہ ان کے عقائد، اخلاق، اعمال سب درست ہوتے چلے جائیں گے اور آگے چل کر یہی لوگ اپنے طبقے میں اس تحریک کے کارکن بن جائیں گے

۴- قیم جماعت نے شکایت کی ہے کہ بعض جماعتیں رپورٹیں بھیجنے میں سستی کرتی ہیں اور اس معاملہ میں منفرد ارکان کا حال اور بھی زیادہ خراب ہے۔ یہ صورت حال بہت افسوس ناک ہے۔ پہلے ہم رپورٹیں نہیں لیتے تھے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض مقامات پر جماعتیں مردہ ہو گئیں اور ہمیں اس کا پتہ بھی نہ چلا۔ رپورٹ بھیجنے میں سستی اس امر کی دلیل ہے کہ جماعت کے کام اور پروگرام سے دلچسپی کم ہو رہی ہے۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ یہ شکایت پیدا نہیں ہوگی۔

۵- قیم حلقہ کے پاس حلقہ دار بیت المال ہونا چاہیے تاکہ وہ پورے حلقے کے کاموں میں استعمال

ہو سکے۔ حلقے کی تمام جماعتوں اور منفرد ارکان کو اس بیت المال کے قیام میں حصہ لینا چاہیے۔ میری رائے میں مناسب یہ ہوگا کہ جماعتیں ایک شرح مقرر کر لیں کہ وہ اپنے بیت المالوں میں سے اتنے فیصدی رقم قیم حلقہ کے بیت المال میں بھیجتی رہیں گی۔ میرے خیال میں معمولاً دس فی صدی کافی ہوگا۔ قیم حلقہ کا بیت المال وہاں کی مقامی جماعت (اگر کوئی جماعت اس مقام پر ہو) کے بیت المال سے الگ ہوگا اور اس کا حساب قیم حلقہ، نئے حلقے کے اجتماعات میں پیش کیا کریگا۔

۷۔ ملک کی موجودہ خانہ جنگی میں اگر خدانخواستہ آپ کا علاقہ مبتلا ہو جائے تو ایسی صورت میں جماعت کی پالیسی کو ٹھیک ٹھیک ملحوظ رکھ کر اس پر عمل کیجیے۔ اس نزاع میں ہماری اصل حیثیت تو ایک داعی خیر گروہ کی ہے اور ہمارا کام یہی ہے کہ اس آگ کو فرو کرنے کی کوشش کریں لیکن اگر کہیں آگ لگ ہی جائے تو مدافعت میں ہمارا فطری مقام مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ البتہ یہ تعاون غیر مشروط نہ ہوگا بلکہ تین شرطوں کے ساتھ ہوگا:

(۱) ہم صرف مدافعت میں شریک ہوں گے۔ اگر مسلمان زیادتی کریں تو ہم ان کا ساتھ نہیں دیں گے۔

(۲) مسلمان اس لڑائی میں اسلامی حدود کی پابندی کریں۔ مثلاً یہ کہ عورتوں، بچوں، بیماروں اور ضعیفوں پر اور اِکے دُکے مسافروں پر حملہ نہ کریں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو ہم ان سے الگ ہو جائیں گے۔

(۳) لڑائی کے بعد پکڑ دھکڑ اور مقدمات کے وقت بھی اسلامی قیود کی پابندی کریں۔ اگر وہ جھوٹی گواہیاں دینے اور بے گناہوں کو پکڑوانے لگیں تو ہم ان سے الگ ہو جائیں گے، کیونکہ ہم اپنے اصول کسی دوسری شے پر قربان نہیں کر سکتے۔ دنیا کا خواہ کوئی کام ہو، اس میں ہماری شرکت صرف اسی صورت سے ہو سکتی ہے کہ اسلامی حدود و قیود کی پابندی کی جائے۔

امیر جماعت کی ان ہدایات کے بعد یہ اجلاس ختم ہوا۔

جلسہ عام | ۱۸ اپریل کی رات کو نماز مغرب کے بعد جلسہ عام کا پروگرام تھا اور اس میں مقامی مسلمان، ہندو اور دوسری غیر مسلم آبادی کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی۔ چنانچہ چھ سات سو کے

قریب لوگ اس جلسے میں شریک ہوئے۔ خواتین کے لیے الگ انتظام تھا۔

امیر جماعت کو گردے کی اور کھانسی اور نزلے کی شدید تکلیف تھی لیکن اس کے باوجود وہ خطاب کے لیے تشریف لائے مگر بدقسمتی سے عین وقت پر لاؤڈ اسپیکر فیل ہوگیا اور اسے درست کرنے کی کوشش میں بیس پچیس منٹ گذر گئے۔ اس کے بعد بھی جب اس کے درست ہونے کی بظاہر کوئی صورت نہ رہی تو امیر جماعت نے مولانا محمد رفیع صاحب اندوری کو فرمایا کہ وہ ان کی تقریر "شہادت حق" جو انھوں نے دسمبر ۱۹۴۶ء میں سیالکوٹ کے اجتماع میں کی تھی، پڑھ کر سنانا شروع کریں تاکہ حاضرین کا وقت ضائع نہ ہو۔ چنانچہ مولانا مذکور نے یہ پوری تقریر پڑھ کر سنادی۔ ان کی آواز کافی بلند تھی اس لیے لاؤڈ سپیکر کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس دوران میں لاؤڈ سپیکر ٹھیک ہوگیا اور امیر جماعت نے بعد حمد و ثنا اپنی تقریر شروع کی۔ ابھی آٹھ دس منٹ ہی ہوئے تھے کہ کھانسی کا اس قدر شدید حملہ ہوا کہ تقریر کو جاری رکھنا ناممکن ہوگیا اور یہ اجلاس یہیں ختم کردینا پڑا۔

اس تقریر کو امیر جماعت نے اجتماع دارالاسلام کے موقع پر اپنے خطبہ جمعہ میں مکمل کیا اس لیے ٹونک کی روداد کے بجائے ہم اسے روداد اجتماع دارالاسلام میں درج کرینگے۔

اجتماع خواتین ٹونک میں جماعت کی ہمدرد اور ہم خیال خواتین نے باہم مل کر ایک حلقہ قائم کر رکھا ہے۔ اس حلقے کی طرف سے درخواست آئی کہ امیر جماعت کی بیماری کی وجہ سے اجتماع میں خواتین کو ان کے خیالات سے مستفید ہونے کا موقع نہیں مل سکا اس لیے امیر جماعت انھیں موقع دیں کہ وہ اپنے سوالات اور شکوک و شبہات ان کے روبرو پیش کرکے آئندہ کام کے لیے ہدایات حاصل کرسکیں۔ چنانچہ اس درخواست کے مطابق ۲۰ اپریل ۱۹۴۷ء کو صبح دس بجے خواتین کا اجتماع ہوا۔ امیر جماعت اور شہر کے ۲۰، ۲۲ معززین جو اس وقت ملنے آئے ہوئے تھے، ایک کمرے میں تشریف فرما تھے اور دوسرے کمرے میں پس پردہ خواتین جمع تھیں۔ اس اجتماع کی مختصر کارروائی درج ذیل ہے:-

سب سے پہلے امیر جماعت نے حسب ذیل الفاظ میں خواتین کو مخاطب کیا:

بہنو! مجھے یہ معلوم کرکے بہت خوشی ہوئی کہ یہاں خواتین میں بھی اسلامی تحریک مقبول ہو رہی ہے اور آپ نے اس دعوت کو پھیلانے کے لیے اپنا ایک حلقہ منظم کر لیا ہے۔ ہمارے اس کام میں عورتوں کی شرکت اور تعاون کی اتنی ہی ضرورت ہے جتنی مردوں کی شرکت اور تعاون کی ہے انسانی زندگی میں آپ برابر کی حصہ دار ہیں اور زندگی کے جو پہلو آپ سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان پہلوؤں سے کسی طرح بھی اہمیت میں کم نہیں ہیں جو مردوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جس طرح گاڑی کے دو پہیوں میں سے کوئی بھی اس وقت تک ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک دوسرا پہیہ اس کا ساتھ نہ دے، اسی طرح انسان کی اجتماعی زندگی کا نظام بھی کبھی ٹھیک نہیں چل سکتا جب تک کہ اس کے چلانے میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتیں بھی برابر کا حصہ نہ لیں۔ خدا نے اس گاڑی کو بنایا ہی اس طرح ہے کہ یہ دو پہیوں پر حرکت کرتی ہے اور اگر ایک پہیہ جم جائے یا الٹی حرکت کرنے لگے تو تنہا دوسرا پہیہ اس کو لے کر زیادہ دور تک اور زیادہ دیر تک نہیں گھسیٹ سکتا۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کی بنا پر ہر اجتماعی تحریک عورتوں کی شرکت اور تعاون کو اہمیت دینے پر مجبور ہے۔ مگر خصوصیت کے ساتھ اسلامی تحریک تو اس کو بہت ہی زیادہ اہمیت دیتی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسلام ٹھیک ٹھیک خدا کی بنائی ہوئی ساخت کے مطابق انسانی زندگی کا نظام درست کرنا چاہتا ہے جس کے لیے عورتوں کا درست ہونا اتنا ہی ضروری ہے جتنا مردوں کا درست ہونا۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام جس خدا کی بندگی کی طرف بلاتا ہے وہ عورتوں کا بھی ویسا ہی خدا ہے جیسا مردوں کا ہے، جس دین کو حق کہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی ویسا ہی حق ہے جیسا مردوں کے لیے ہے، جس نجات کو مقصود قرار دیتا ہے اس کی ضرورت عورتوں کو بھی ویسی ہی ہے جیسی مردوں کو ہے، جس دوزخ سے بچانا چاہتا ہے وہ عورتوں کے لیے بھی اتنی ہی خوفناک ہے جتنی مردوں کے لیے ہے، اور جس جنت کی امید دلاتا ہے وہ عورتوں کو بھی اپنی ہی کوشش سے مل سکتی ہے جس طرح مردوں کو اپنی کوشش سے۔

اگر کسی مرد کی نجات کے لیے یہ بات کافی نہیں ہو سکتی کہ اس کی بیوی یا ماں یا بہن ایمان لائی تھی اور خدا کی خوشنودی کے لیے کوشش کرتی رہی تھی، تو ظاہر ہے کہ کوئی عورت بھی محض اس بنا پر نجات نہیں پا سکتی کہ اس کا شوہر یا باپ یا بھائی ایمان لایا تھا اور اس نے اپنے خدا کو خوش کرنے کے لیے جان کھپائی تھی۔ خدا کے ہاں کوئی شخص کچھ بھی نہیں پا سکتا جب تک کہ اس نے خود کچھ پانے کی کوشش نہ کی ہو۔ اس لیے اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کو یکساں اپنی اپنی نجات کی فکر ہو، ہر ایک دل و جان سے وہ خدمات بجا لائے جو اسے خدا کی سزا سے بچائیں اور اس کے انعام کا مستحق بنائیں، کوئی مرد یا عورت اس طرح اپنے آپ کو دوسروں کے ساتھ نہ باندھ لے کہ اسی کے ساتھ بندھے بندھے دوزخ میں جا پہنچے، اور نہ کوئی مرد یا عورت ایسی اندھوں کی سی زندگی بسر کرے کہ اس کے اپنے گھر میں دین و ایمان کی روشنی موجود ہو مگر وہ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔

تحریک اسلامی کی جو تاریخ ہمارے سامنے ہے وہ ہمیں بتاتی ہے کہ ابتدا سے عورتوں نے اس تحریک میں مردوں کے ساتھ برابر کا حصہ لیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی سعادت سب سے پہلے جس کو نصیب ہوئی وہ ایک خاتون ہی تھیں، یعنی ہماری، آپ کی اور سب مسلمانوں کی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا۔ وہی تھیں جنھوں نے بار نبوت کو اٹھاتے وقت حضورؐ کے کانپتے ہوئے دل کو تسکین دی، وہی تھیں جو دس سال تک ہر قسم کی سختیوں میں حضور کی بہترین رفیق بنی رہیں، اور انہی کا سرمایہ تھا جس سے مکی دور میں اسلام کا مشن چلتا رہا۔ نبوت کے پہلے تین سالوں میں جو ۵۰ اشخاص ایمان لائے تھے ان میں ۹ عورتیں شامل تھیں۔ سات آٹھ برس تک مکہ میں انتہائی ظلم و ستم سہنے کے بعد جو ۸۳ اشخاص اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئے تھے ان میں ۱۸ عورتیں تھیں جنھوں نے دین و ایمان کی خاطر جلاوطنی کی مصیبتوں میں اپنے شوہروں اور بھائیوں کا ساتھ دیا۔ مکہ میں جن لوگوں نے کفار کے ہاتھوں سب سے بڑھ کر ظلم سہے ان میں اگر بلال اور عمار جیسے مرد تھے تو ام عُبَیس، ام عمار اور زِنّیرہ جیسی عورتیں بھی تھیں۔ اسی طرح مدینہ میں

جہاں انصار کے مردوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں کیں، عورتوں نے بھی ان میں کچھ کم حصہ نہیں لیا۔ کیا آپ نے اُس نیک بخت خاتون کا قصہ نہیں سنا جسے جنگ احد کے موقع پر شوہر، باپ اور بھائی کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس نے پوچھا مجھے یہ بتاؤ کہ رسول اللہ تو خیریت سے ہیں؟ اور جب اس نے آپ کو بخیریت دیکھ لیا تو کہنے لگی "آپ زندہ ہیں تو ہر مصیبت ہلکی ہے"۔ اسی جنگ احد میں ایک خاتون ام عمارہ پانی پلانے کی خدمت کر رہی تھیں، جب انھوں نے دیکھا کہ حضور زخمی ہو گئے ہیں اور کفار نے آپ پر نرغہ کر لیا ہے تو تلوار سونت کر سامنے آکھڑی ہوئیں اور آپ کو بچانے کے لیے لڑتی رہیں یہاں تک کہ شانے پر گہرا زخم کھایا۔ یہ اور ایسے ہی بکثرت واقعات بتاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جو کچھ مردوں نے کیا ہے اس سے کچھ کم عورتوں نے نہیں کیا ہے۔ انھوں نے اس دین کی خاطر ظلم بھی سہے، خطرات بھی مول لیے، جان و مال کی قربانیاں بھی کیں، اعزہ و اقربا کو بھی چھوڑا، جلاوطنی اور فقر و فاقہ کی تکلیفیں بھی اٹھائیں، اور اپنے بیٹوں، بھائیوں، شوہروں اور بھائیوں کے ساتھ وفاداری کا حق بھی پوری طرح ادا کیا۔ یہ آپ کی پیش رو خواتین کے کارنامے ہیں جنکی بدولت ابتدا میں اسلام دنیا پر چھایا تھا، اور آج اگر اس دین کو پھر دنیا پر چھانا ہے تو یہ بغیر اس کے نہیں ہو سکتا کہ آپ اُنہی جاں نثار خواتین اسلام کے نقش قدم پر چلیں اور انہی کی طرح اخلاص ایمانی کا ثبوت دیں۔

اس وقت عورتوں کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں کو اور اپنے خاندان اور اپنے ہمسایوں اور اپنے ملنے جلنے والوں کے گھروں کو شرک و جاہلیت اور فسق سے پاک کرنے کی کوشش کریں، گھروں کی معاشرت کو اسلامی بنائیں، پرانی اور نئی جاہلیتوں کے اثرات سے خود بچیں اور دوسرے گھروں کو بچائیں، اَن پڑھ اور نیم خواندہ عورتوں میں علم دین کی روشنی پھیلائیں، تعلیم یافتہ خواتین کے خیالات کی اصلاح کریں، خوشحال گھروں میں خدا سے غفلت اور اصول اسلام سے انحراف کی جو بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں ان کو روکیں اپنی اولاد کو اسلام پر اٹھائیں، اپنے گھروں کے مردوں کو، اگر وہ فسق اور بے دینی میں مبتلا

ہوں۔ راہ راست پر لانے کی کوشش کریں، اور اگر وہ اسلام کی راہ میں کوئی خدمت کر رہے ہوں تو اپنی رفاقت اور معاونت سے ان کا ہاتھ بٹائیں۔ آگے چل کر اس دین کے لیے آپ کو اور دوسری خدمات بھی انجام دینی ہوں گی اور ان کے لیے آپ کو تیار کرنے کا انتظام بھی انشاء اللہ اپنے وقت پر ہو جائیگا لیکن سر دست آپکے لیے اس تحریک میں یہی کام ہے اور یہ آپ ہی کے کرنے کا ہے۔

عورت کو سب سے بڑی مشکل اس وقت پیش آتی ہے جب وہ خود راہ حق کو پاکر اس پر چلنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے مگر اس کے گھر کے مرد اس کی راہ میں مزاحم ہوتے ہیں۔ یہ فی الواقع ایک بڑی مشکل صورت حال ہے جو بہت کچھ پریشانی کی موجب ثابت ہوتی ہے، لیکن اس معاملہ میں بھی آپکے لیے انہی خواتین اسلام کا نمونہ قابل تقلید ہے جنھوں نے ابتدا میں اس راہ حق کو اختیار کیا تھا۔ آپ کی پوزیشن خواہ کتنی ہی بے بسی و کمزوری کی ہو، مگر بہرحال اس حد کو نہیں پہنچتی جس حد تک زمانہ جاہلیت کے عرب میں عورتوں کی پوزیشن گری ہوئی تھی۔ اسی طرح آپ میں سے جن کو بھی ایسے مرد عزیزوں سے سابقہ در پیش ہو جو اسلام سے برگشتہ یا دعوت اسلامی کے مخالف ہوں، ان کا سابقہ بہرحال بگڑے ہوے مسلمانوں سے ہے، مگر جن خواتین کا میں ذکر کر رہا ہوں ان کا سابقہ تو کفار اور بدترین دشمنان اسلام سے تھا۔ اس فرق کے باوجود جو کچھ انھوں نے اپنے دین کے لیے کیا، اور جس جرأت و ہمت اور استقلال کے ساتھ اپنے خاندان کی انتہائی مخالفت اور دشمنی کے مقابلہ میں حق پرستی کا کمال دکھایا وہ ہمیشہ تمام دنیا کی عورتوں کے لیے ایک بہترین نمونہ رہے گا مثال کے طور پر میں آپ کے سامنے چند خواتین کے حالات بیان کروں گا۔

سب سے پہلے تو حضرت خدیجہ ہی کو لیجیے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نوفل، ان کا چچا زاد بھائی اسود بن مطلب، اور اسود کا بیٹا زمعہ، یہ لوگ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابو جہل کے دست راست تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ حضور کی رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انھوں نے ذرہ برابر پروا نہیں کی۔

حضرت ام سلمہ کو دیکھیے۔ ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا۔ دوسرا چچا ولید بن مغیرہ اور اس کے بیٹے خالد بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ بن امیہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھر بار اور خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

حضرت فاطمہ بنت خطاب کی مثال لیجیے۔ ان کا باپ خطاب اور ان کا ماموں ابوجہل، دونوں اسلام کی دشمنی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔ ان کے سگے بھائی حضرت عمرؓ بھی زمانۂ کفر میں اسلام کی دشمنی اور مسلمانوں پر ظلم کرنے میں کسی سے کم نہ تھے۔ باپ، بھائی اور ماموں کے اس رویہ سے واقف تھیں۔ پھر بھی وہ اپنے شوہر کے ساتھ اسلام قبول کرنے سے نہ جھجکیں۔ حضرت عمرؓ کو جب معلوم ہوا کہ بہن اور بہنوئی دونوں مسلمان ہو گئے ہیں تو وہ ٹوہ لگانے آئے۔ ابھی دروازے ہی پر تھے کہ اندر سے قرآن پڑھنے کی آواز سنی۔ گھر میں گھس کر بہن اور بہنوئی دونوں کو خوب مارا یہاں تک کہ بہن لہولہان ہو گئی۔ مگر اس اللہ کی بندی نے بھائی سے صاف کہہ دیا کہ چاہے تم مار ڈالو، یہ حق جو میں پا چکی ہوں اسے چھوڑ نہیں سکتی۔ اس پر بھائی کا دل کچھ پسیجا اور اس نے کہا کہ لاؤ، ذرا میں بھی تو سنوں کہ وہ چیز کیا تھی جو تم دونوں پڑھ رہے تھے۔ بہن نے قرآن کے اوراق نکال کر سامنے رکھ دیے جن میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ بھائی نے پڑھنا شروع کیا اور جوں جوں پڑھتا گیا حق کی تاثیر دل میں اترتی چلی گئی، یہاں تک کہ جب سورہ ختم ہوئی تو وہی دل جو ابھی تھوڑی دیر پہلے تک کفر اور بغض اسلام سے بھرا ہوا تھا ایمان سے لبریز ہو گیا۔ اس طرح ایک عورت ہی کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ عمر فاروقؓ جیسے عظیم الشان انسان کو اسلام کے دائرے میں لائی جس کا نام تاریخ اسلام میں ہمیشہ ہمیشہ درخشاں رہے گا۔

سب سے زیادہ سبق آموز مثال حضرت ام حبیبہ کی ہے جو بنی امیہ کے اس خاندان سے تھیں جس کا بچہ بچہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سانپ اور بچھو بنا ہوا تھا۔ ان کا باپ ابوسفیان، وہ شخص تھا جو مسلسل ۲۱ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برسرپیکار رہا۔ ان کی ماں ہندہ بنت عتبہ وہ عورت

تھی جو جنگ احد میں حضرت حمزہ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی۔ ان کی پھوپھی ام جمیل، ابولہب کی بیوی وہی عورت تھی جسے قرآن میں حمالۃ الحطب کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ قریش کے ان سرداروں میں سے تھا جو اسلام کی دشمنی میں سب سے پیش پیش تھے۔ اندازہ کیجیے کہ ایسے خاندان کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ مکہ کے ابتدائی پانچ سالوں میں جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں ایک ام حبیبہ بھی تھیں۔ ان کے ساتھ ان کے شوہر نے بھی اسلام قبول کیا اور دونوں خوب ستائے گئے۔ دو تین سال بعد مجبور ہو کر انھیں اپنے شوہر کے ساتھ حبش کی طرف نکل جانا پڑا۔ وہاں جا کر شوہر عیسائی ہو گیا اور اس شیر دل خاتون نے جہاں ایمان کی خاطر ماں باپ اور بھائی بہنوں کو چھوڑا تھا، اس مرتد شوہر کو بھی چھوڑ دیا۔ اب اس غریب الوطنی کی زندگی میں وہ تنہا ایک بچی کے ساتھ رہ گئیں مگر ان کے عزم اور ایمان کی مضبوطی میں ذرا فرق نہیں آیا۔ انہی بلند ایمانی اوصاف کا انعام تھا جو خدا نے ان کو اس شکل میں دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں اپنے لیے پسند فرمایا اور حبش ہی میں ان کا غائبانہ نکاح حضور کے ساتھ پڑھا گیا۔ جنگ خیبر کے زمانہ میں یہ حبش سے واپس ہو کر مدینہ پہنچیں۔ اس کے تھوڑے دنوں بعد ان کا باپ ابوسفیان صلح کی بات چیت کے لیے مدینہ آیا اور اس نے چاہا کہ بیٹی سے مل کر صلح کے معاملہ میں اس سے بھی مدد لے۔ بارہ تیرہ سال کی جدائی کے بعد پہلا موقع تھا کہ بیٹی اور باپ مل رہے تھے۔ مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کافر باپ جب مسلمان بیٹی کے ہاں گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرش پر بیٹھنے لگا تو بیٹی نے دوڑ کر فرش کھینچ لیا اور باپ سے کہا کہ میں رسول اللہ کے فرش پر ایک دشمن اسلام کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دے سکتی!

یہ ہیں سچی اور اصلی مسلمان عورتوں کے اوصاف، اور اگر آپ کو اپنی نجات درکار ہے تو یہی اوصاف آپ کو بھی اپنے اندر پیدا کرنے ہوں گے۔ خوب سمجھ لیجیے کہ والدین ہوں، یا بھائی بہن، یا شوہر، یا اولاد کسی کا حق بھی آپ کے اوپر خدا اور رسول سے بڑھ کر یا ان کے برابر نہیں ہے۔ کوئی بھی اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس کو خوش کرنے اور راضی رکھنے کے لیے آپ خدا اور رسول کی نافرمانی کریں۔ کوئی آپ کو

خدا اور اس کے رسول اور اس کے دین سے بڑھ کر یا برابر عزیز نہ ہونا چاہیے اور کسی کا خوف بھی آپ کے دل میں اس حد تک نہ ہونا چاہیے کہ آپ اس سے ڈر کر خدا سے نڈر ہو جائیں۔ یہ کیفیت اگر آپ کے اندر پیدا ہو جائے تو دین کا راستہ آپ کے لیے آسان ہو جائے گا اور کوئی طاقت آپ کو راہ حق سے نہ روک سکے گی نہ ہٹا سکے گی۔

اس تقریر کے بعد خواتین نے اپنے سوالات تحریری شکل میں پیش کیے اور امیر جماعت نے ان کے جوابات دیے:

سوال نمبر ۱۔ عورتوں کو اپنے دائرے کے اندر رہتے ہوئے تبلیغ کس طرح کرنی چاہیے؟

جواب:۔ تبلیغ کے لیے کوئی مصنوعی طریقہ اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اصل تبلیغ یہ ہے کہ انسان جس اصول اور مسلک پر ایمان رکھتا ہو اس کا نمونہ خود اپنی زندگی میں پیش کرے اور اپنے کسی قول و عمل سے اس کے خلاف شہادت نہ دے۔ اس کے ساتھ اگر آدمی زبان اور قلم سے دوسروں کو سمجھانے اور نصیحت کرنے کی کوشش کرے تو وہ مفید ہو سکتی ہے۔ انسانی فطرت کا خاصہ یہ ہے کہ وہ کسی اصول سے اسی قدر متاثر ہوتی ہے جس قدر پختہ اس کے علمبردار کا اس پر ایمان ہو۔ اپنے اصول کے معاملہ میں کسی سے کوئی مصالحت نہ کیجیے۔ اگر آپ دوسروں کے اثر سے دب کر قبول کرنے لگیں تو پھر دوسرے آپ کو دباتے ہی چلے جائیں گے۔ اصول پرستی اور مصالحت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اپنے اصول کے معاملہ میں ہم کسی رواداری کے قائل نہیں۔ اگر دوسروں کو ہماری حق پرستی اور راست روی پسند نہیں تو آخر ہم ان کی غلط روی کا کیوں لحاظ کریں۔ غلط رو اور غلط کار لوگوں سے مصالحت رواداری نہیں بلکہ کمزوری اور دینی بے غیرتی ہے۔ البتہ یہ لحاظ رہے کہ اپنے اصول کی پابندی میں آپ جس قدر سخت ہوں اسی قدر آپ کو اپنے اصولوں کے پیش کرنے اور مخالفین و معترضین کو جواب دینے میں نرم اور شیریں ہونا چاہیے۔

سوال نمبر ۲۔ عورت کو شادی سے پہلے والدین اور بھائیوں کی اور شادی کے بعد شوہر اور سسرال کے بزرگوں کی اطاعت کرنی پڑتی ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کو بالکل بدل لیں اور غلط رسموں پر چلنے سے انکار کر دیں اور اصلاح کی عملاً کوشش کرنے لگیں تو ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ ہماری مزاحمت کریں۔ ایسے حالات میں ان کے ساتھ ہمیں کیا سلوک کرنا چاہیے؟ والدین اور شوہر کے حقوق پر تو اسلام نے بہت زیادہ زور دیا ہے۔

جواب: حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی پر کوئی اصلی اور ذاتی حق نہیں رکھتا۔ انسان پر اور اس کائنات کی دوسری سب چیزوں پر اصل حقوق صرف اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ دوسروں کو جو حقوق بھی حاصل ہیں وہ اصلی حقوق نہیں ہیں بلکہ وہ خدا کے عطا کیے ہوئے حقوق ہیں۔ والدین، بھائی بہن، شوہر بیوی اور تمام دوسرے رشتہ داروں کے حقوق بس وہی اور اسی قدر ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیے ہیں۔ ان سے زیادہ وہ کوئی حق نہیں رکھتے۔ اور ان کے یہ حقوق اللہ کے حقوق کے تحت اور اس کی مقرر کردہ حدود کے اندر ہی ادا کیے جا سکتے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی اپنے قول یا فعل سے یہ مطالبہ کرے کہ خدا کی مرضی اور اس کا قانون خواہ کچھ ہو تم کو میری بات ماننی پڑے گی تو اس کی اطاعت کے معنی اس سے بغاوت شرعاً لازم ہو جاتی ہے۔ اگر خدا کی نافرمانی میں آپ نے کسی کی اطاعت کی تو آپ کا ایمان ہی سرے سے مشتبہ ہو جائے گا۔

ہاں اللہ اور رسول نے والدین، شوہر اور دوسرے حق داروں کے جو حقوق مقرر کر دیے ہیں وہ ایک مسلمان عورت کو دوسری عورتوں سے زیادہ اچھی طرح ادا کرنے چاہئیں اور اس بات کی پروا کیے بغیر ادا کرنے چاہئیں کہ دوسرا خود ان کے حقوق کو کہاں تک ادا کر رہا ہے۔ حتی الوسع کوئی بدمزگی نہ پیدا ہونے دی جائے۔ اپنی زبان اور جذبات پر پورا قابو رکھا جائے اور اپنے اصولوں میں پوری سختی لیکن کلام اور اخلاق میں انتہائی نرمی برتی جائے۔

سوال نمبر ۲: ہمیں تقریر کس طرح کرنی چاہیے تاکہ زیادہ سے زیادہ بہنیں متاثر ہوں۔

جواب: جن مستورات کو اللہ تعالیٰ نے تقریر کی صلاحیت بخشی ہے ان کو چاہیے کہ ہمارے لٹریچر کو غور سے پڑھیں۔ جب خیالات اور ذہن صاف ہو جائیں گے تو تقریر کا ڈھنگ خود بنتا جائے گا۔ "خطبات" سے اس سلسلے میں خاص طور پر مدد لی جا سکتی ہے۔ انداز بیان آسان سے آسان اور صاف ہو تاکہ کم سے کم لیاقت کا آدمی بھی آپ کی بات سمجھ سکے۔ مخاطب لوگوں کے ذہن اور خیالات کا لحاظ نہایت ضروری ہے۔ ابتداءً کچھ غلطیاں ہوں تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دوسرے سارے کاموں کی طرح یہ کام بھی کرنے سے ہی آتا ہے۔

سوال نمبر ۳: سینما جو آجکل وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے اسے دیکھنا کہاں تک جائز ہے؟ کیونکہ

بعض کھیل اصلاحی اور سبق آموز بھی ہوتے ہیں۔

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سینما دیکھنا کسی حد تک بھی جائز نہیں۔ اس سے بالکل پرہیز کیا جائے۔ جن فلموں کو عام طور پر تعلیمی اور اخلاقی کہا جاتا ہے ان میں بھی بداخلاقی کے جراثیم موجود ہوتے ہیں۔ جب تک یہ فن ان لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کے نزدیک اخلاق کی سرے سے کوئی قدر و قیمت ہی نہیں، اس وقت تک کہیں کوئی لکیر نہیں کھینچی جا سکتی کہ اس حد تک تو آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور فلاں مقام سے آگے نہ بڑھیں۔ میں نے آج تک نہیں دیکھا کہ سینما سے کسی نے کوئی اخلاق سیکھا ہو بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ جس شخص کے اندر کوئی اخلاقی حس موجود ہو وہ ان مناظر کو نہیں دیکھ سکتا اور نہ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں، بھائیوں اور بہنوں کا انھیں دیکھنا گوارا کر سکتا ہے جو سینما میں عام طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کوئی وقت لایا اور اقتدار ہمارے ہاتھ میں منتقل ہوا تو ہم ان شاء اللہ دوسرے فنون کے ساتھ اس فن کو بھی مسلمان بنائیں گے اور پھر یہ دیکھنے کے قابل ہوگا۔ اگر سینما کا فی الواقع صحیح استعمال کیا جائے تو اس کے ذریعے عوام کو موجودہ زمانے کے عام کاموں کی تعلیم کے بارے معلومات بہت آسانی سے دی جا سکتی ہیں۔ وقت آنے پر ہم ان شاء اللہ دنیا کو یہ کر کے دکھائیں گے۔ لیکن اس وقت جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں سینما بینی کو قطعاً ترک کر دینا چاہیے۔

سوال ۵۔ عورتوں کا لباس کس قسم کا ہونا چاہیے، برقع اوڑھ کر باہر نکلنا کس حد تک اور کن حالات میں جائز ہے؟

جواب: "پردہ" میں اس کی تفصیلات موجود ہیں وہاں سے دیکھ لی جائیں۔ دہلی، یو۔پی اور بھوپال میں عورتیں جیسے چست لباس عام طور پر پہنتی ہیں وہ جائز نہیں ہیں، خواہ وہ موٹے کپڑے کے ہی بنے ہوئے ہوں۔ ضرورت کے وقت برقع پہن کر گھر سے باہر نکلنا درست ہے لیکن شوخ رنگ کے ریشمی برقعے جو آجکل رائج ہیں ان کا استعمال درست نہیں۔ برقعے اور چادر جسم اور زینت کو چھپانے کے لیے ہیں نہ کہ انھیں نمایاں کرنے کے لیے۔ پردے کی شرعی حدود

معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک گروہ نے تو اس قدر آزادی اختیار کر لی کہ اپنی عورتوں کو نیم برہنگی کی حد تک لے گئے اور دوسرے گروہ نے انھیں گھر کی چار دیواری میں اس طرح قید کر دیا کہ صوبہ بہار میں مسلمانوں کے قتل عام کے وقت بھی ان کی عورتیں ڈولی کے بغیر گھر سے نہ نکل سکیں۔ یہ دونوں طریقے غلط ہیں۔ اس وقت تو ملک میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ عورتوں کو اس کے لیے تیار ہونا چاہیے کہ بوقت ضرورت اپنی حفاظت خود کر سکیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ خود منتقل ہو سکیں اور مصیبت کے وقت مردوں کے لیے بار اور رکاوٹ بننے کے بجائے ان کی قوت میں اضافہ کرنے کا موجب ہوں۔ میں تو یہ بھی مشورہ دوں گا کہ بھائی اپنی بہنوں کو اگر ممکن ہو سکے تو گھروں کے اندر سائیکل کی سواری بھی سکھا دیں تاکہ ضرورت کے وقت اس سے کام لیا جا سکے۔

سوال ۱۶۔ کیا عورت پردے میں رہ کر ضرورت کے وقت غیر مرد سے بات کر سکتی ہے؟

جواب: ہاں ضرورت کے وقت عورت پردے میں رہ کر دوسرے مرد سے بات کر سکتی ہے لیکن لہجے میں لوچ اور ملایمت نہیں ہونی چاہیے مبادا کہ شیطان اس کے دل میں کوئی غلط توقعات پیدا کر دے۔ حضرت عائشہؓ نے تو مردوں کو درس بھی دیا ہے۔ ایک موقع پر خطبہ بھی دیا اور فوجوں کو احکام بھی دیے۔ دوسرے مسائل کی طرح اس میں بھی اعتدال کی راہ ہی صحیح ہے کہ عام آزادی بھی نہ ہو اور یہ بھی نہیں کہ ضرورت کے وقت بھی کسی سے بات نہ کی جائے۔

سوال ۱۷۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنکھوں کا زنا غیر مرد کو دیکھنا ہے اور اکثر غیر مرد پر نگاہ پڑ جاتی ہے یہ گناہ قابل معافی ہے یا نہیں؟

جواب: اس مسئلے پر "پردہ" میں بحث کی گئی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔ دراصل مردوں کے عورتوں کو دیکھنے پر جو پابندی ہے وہ پابندی عورتوں کے مردوں کو دیکھنے پر نہیں ہے۔ اگر عورت پردہ کر کے نکلے گی تو ظاہر ہے کہ اسے راستہ دیکھنا ہوگا اور اس سے اس کی نظر مردوں پر بھی پڑے گی۔ عورت کا جو دیکھنا منع اور زنا ہے وہ بری نظر سے دیکھنا ہے۔

سوال نمبر ۸۔ بعض عورتیں گنڈے اور تعویذوں کو بہت اہمیت دیتی ہیں اور اس کے لیے تاویل کرتی ہیں کہ جس طرح نظر ہونا جائز ہے اسی طرح یہ بھی درست ہے۔

جواب: آجکل جو تعویذ اور گنڈے ہوتے ہیں وہ اکثر و بیشتر مشرکانہ اور شیطانی ہوتے ہیں۔ ان میں سے جو بظاہر قرآنی کہے جاتے ہیں ان میں بھی اکثر و بیشتر دیکھا گیا ہے کہ کچھ نہ کچھ تحریف ضرور ہوتی ہے اس لیے ان سے احتراز اولیٰ ہے۔ دوسرے صحیح اور قرآنی تعویذوں کو بھی دعا کی حیثیت میں ہی رکھنا چاہیے۔ ان کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا کہ ان سے لازماً آرام ہو جائے گا درست نہیں ہے۔ صحت و تندرستی اللہ کے ہاتھ میں ہے اور اس کے لیے اسی سے دعا کرنی چاہیے۔ تعویذ اور گنڈوں کی طرف رجوع کرنا عام طور پر جاہل اور پست ہمت قوموں کا شیوہ رہا ہے اور اب بھی ان کی طرف رجوع کرنیوالے ایسے ہی لوگ ہیں۔

سوال نمبر ۹۔ میلاد النبی میں شرکت جائز ہے یا نہیں؟ اس میں پیدائش کے وقت کھڑا ہونا کیسا ہے؟

جواب:۔ حضور کی سیرت بیان کرنے کے لیے جمع ہونا صحیح بلکہ بہت نیک کام ہے لیکن اس کی غرض یہ ہونی چاہیے کہ اس سے سبق لیا جائے۔ مگر یہ میلاد خوانی جو اس وقت رائج ہے یہ ساری کی ساری جاہلانہ اور مشرکانہ رسوم پر مشتمل ہے اور اگر حضورؐ یا صحابہؓ کے زمانے میں ہوتی تو اسے حکماً بند کر دیا جاتا۔ جس طرح حضور کی پیدائش کو ان محفلوں میں بیان کیا جاتا ہے اس طرح اپنی پیدائش کے ذکر کو کوئی شخص بھی پسند نہیں کر سکتا۔

سوال نمبر ۱۰۔ شادی بیاہ کے موقع پر اکثر گانا مع ساز کے گایا جاتا ہے اور ان تقاریب میں شریک ہونا پڑتا ہے۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے اور ساز کس قسم کا سننا جائز ہے؟

جواب:۔ ساز بجز دف کے اور کسی قسم کا جائز نہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر اگر لڑکیاں بالیاں آپس میں بیٹھ کر کچھ گا بجا لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن پیشہ ور ڈومنیوں اور طوائفوں کا گانا اور ساز کے ساتھ گانا کسی طرح جائز نہیں۔ ایسی محفلوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ جہاں شادی میں اس کا انتظام کیا گیا ہو وہاں آپ صرف نکاح اور ولیمہ کے موقع پر شریک ہوں اور باقی تقریبات سے الگ ہو جائیں۔ آپ کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے عزیزوں اور بھائی بندوں کے سب جائز کاموں میں شریک ہوں گے اور ناجائز کاموں سے الگ رہیں گے۔

اگلے روز بتاریخ ۱۲ر اپریل بوقت گیارہ بجے دوپہر امیر جماعت اور قیم جماعت ٹونک سے بمبئی کے راستے مدراس روانہ ہو گئے۔